1 سورة الفاتحة
2 البقرة

- سورة الفاتحة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی وفقنا لخدمة القرآن الکریم وکلامه القدیم وکتابه الحکیم والصلاة والسلام علی حبیبه الرؤف الرحیم ونبینا نبی الرحمة خاتم النبیین وامام المرسلین الموصوف بالخلق العظیم سیدنا وشفیعنا وقرة اعیننا ومولانا محمد النبی الامی المبعوث الی کافة الناس بالدین القویم والفضل الجسیم وعلی آله واصحابه واتباعه اولی لتعظیم والتکریم الهادین الی الصراط المستقیم صلاة وسلاما دائمین متلازمین الی یوم یدخل فیه المؤمنون فی جنات النعیم ۔ اما بعد

برادران دین کی خدمت میں عرض ہے کہ علم تفسیر اشرف علوم ہے ۔ کیونکہ کسی علم کا شرف اس کے موضوع کے اعتبار سے ہوتا ہے ۔ اور علم تفسیر کا موضوع چونکہ قرآن کریم ہے اور قرآن کریم کلام اللہ ہے تو جو شرف اور فضیلت اللہ سبحانہ تعالی کے مقدس کلام کو دوسروں کے کلام پر حاصل ہے ۔ کلام اللہ کی تفسیر کو بھی دوسروں کے کلام کی تشریح پر حاصل ہوگی ۔ لہذا علم تفسیر تمام علوم سے اشرف ، اعلی اور افضل ہوگا ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۔

مُقدّمہ

اصولِ تفسیر

۱۔ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے | تفسیر کے حسب ذیل اصول ہیں اور اسی کے لحاظ سے تفسیر کے مدارج معلوم ہوتے ہیں :۔ ایک یہ کہ قرآن کریم کی ایک آیہ کریمہ کی تفسیر قرآن کریم ہی کی دوسری آیت یا آیات کریمہ سے ہوتی ہو۔ جیسا کہ اہل علم کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے :۔ القرآن یفسر بعضہ بعضاً۔ قرآن کریم کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصہ کی تفسیر کیا کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے :۔ ان علینا بیانہ ۔ قرآن کریم کا بیان (اس کی توضیح و تشریح و تفسیر) ہمارے ذمہ ہے" ایسی بہتیری مثالیں ہیں جن میں قرآن کریم کے بعض معانی و مطالب کو دوسری آیات کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ لہذا تفسیر کا یہ درجہ بھی تمام تفاسیر سے اشرف و اعلیٰ ہوگا۔

۲۔ قرآن کی تفسیر حدیث شریف سے | دوسرا درجہ یہ ہے کہ کوئی تفسیر حضور اقدس رسالتمآب مہبط وحی و کتاب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم الی یوم الحساب کی حدیث شریف سے ہوتی ہو اور آپ نے آیات کریمہ کے معانی و مطالب کو اپنے کلام معجز نظام سے بیان فرمایا ہو۔ جیسا کہ باری تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :۔ وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم

الذی اختلفوا فیہ و ھدی و رحمۃ لقوم یؤمنون۔ (نحل) اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر یہ کتاب (قرآن کریم) مگر اسواسطے کہ آپ واضح کریں ان کے آگے ان امور کو جن میں انھوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور (اسواسطے کہ) ہدایت اور رحمت ہو اس قوم کے حق میں جو (ہماری باتوں پر) یقین رکھتے ہیں۔" یعنی قرآن کریم کو آپ پر اتارنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ منکرین کی اختلافی باتوں کو آپ اپنے بیان سے وضاحت کر کے ان کی تشفی فرمائیں اور آپ کا بیان ایمان والوں کے حق میں ان کی ہدایت اور رحمت کا سامان مہیا کرے۔ جا بجا، موقع بہ موقع، حسب ضرورت قرآن کریم کے معانی و مطالب جو بیان فرمائے احادیث شریفہ کی کتابوں میں وہ سب محفوظ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ احادیث شریفہ بھی قرآن کریم کی تفسیر ہیں۔ یہ تفسیر کا دوسرا درجہ ہے۔

۳ قرآن کریم کی تفسیر ائمہ دین اور فقہائے کرام کے اقوال سے	تیسرا اصول تفسیر کا یہ ہے کہ جس آیۂ کریمہ کی تفسیر معلوم نہ ہو اس کو اہل استنباط و اجتہاد کے سامنے پیش کیا جائے

وہ اپنے تبحر علمی کی بدولت اس کی تفسیر بتا دیں گے جیسا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:۔

ولو ردّوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہ۔ اور اگر یہ لوگ (جو قرآن کریم کی تفسیر سے واقف نہیں) اس کو حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یا اولی الامر (اہل علم) کے پاس پیش کریں تو

جو لوگ استنباط کی لیاقت رکھتے ہیں وہ اس کو حل کر دیں گے۔ اس سے صحابۂ کرامؓ تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین مراد ہیں۔ ان کی تفاسیر اور اقوال کتب احادیث اور کتب فقہ میں محفوظ ہیں۔ ان میں دیکھ لیا جائے۔ نیز باری تعالیٰ شانہ کا یہ بھی ارشاد ہے:۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ اہل علم سے دریافت کر لیا کرو اگر تم خود نہیں جانتے ہو۔ صحابہ کرامؓ تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین جو خیر القرون میں تھے اگرچہ ان کا عہد منقضی ہو چکا لیکن ان سلف صالحین کے اقوال کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کو پڑھکر قرآن کریم کی تفسیر معلوم کر لیا کریں۔

قرآن کی تفسیر علمائے دین کے اقوال سے

جن لوگوں میں اتنی استعداد بھی نہ ہو تو اہل علم جو بفضل خدا ہر زمانے میں موجود رہیں گے یہی اولی الامر ہیں شرع شریف کی حکومت ان کے ہاتھ میں ہے ان سے پوچھ لیا کریں۔ اگلے زمانہ میں حکومت بھی اہل علم کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ حدیث شریف العلماء ورثۃ الانبیاء کہ علمائے کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث اور جانشین ہیں۔ اس حدیث شریف کی بموجب زمام حکومت اہل علم کے تفویض ہوتی تھی۔ بعد کو یہ صورت نمودار ہوئی ع ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند۔ بایں ہمہ اہل علم کی حکومت میں تزلزل نہ آیا۔ عوام پر پادشاہوں کی حکومت تھی تو پادشاہوں پر اہل علم کی حکومت رہی۔ شدہ شدہ یہ صورت بھی بعض جگہ برقرار نہ رہ سکی۔

مسلمانوں کی بادشاہت بھی ختم ہوئی تو دار و مدار اسی پر رہ گیا کہ تفسیر قرآن کریم ہو یا دینی امور کی رہبری۔ وہ بالکلیہ علمائے امت کے دوش پر ہے۔ یہ طریقہ تا قیام قیامت جاری رہے گا۔ اور اللہ کی زمین پر شرع شریف کی حکومت برقرار رہے گی۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ قرآن کریم کے تحفظ کا کفیل ہے

قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے لیا ہے تو اس کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کا کفیل بھی حق جل وعلا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ انّا نحن نزّلنا الذکر وانّا لہ لحافظون یقیناً ہم ہی نے نصیحت والی کتاب (قرآن کریم) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" چنانچہ زمانہ شاہد ہے کہ قرآن کریم کے نزول اجلال پر چودہ سو سال گزر چکے مگر اللہ کا کلام معجز نظام اسی شان کے ساتھ بغیر کسی کمی یا زیادتی اور بغیر کسی تبدل و تغیر کے جوں کا توں باقی و برقرار ہے۔ یہی نہیں بلکہ احادیث شریفہ اور صحابۂ کرام تابعین عظام، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کے اقوال جو در اصل قرآن کریم کی جیتی جاگتی تفاسیر ہیں وہ بھی موجود ہیں۔ الحمد للہ علی احسانہ وفضلہ وکرمہ۔ یہ فضیلت و منقبت امت محمدیہ کی خصوصیات سے ہے جس کی نظیر بلکہ اس کا عشر عشیر بھی امم سابقہ میں سے کوئی امت پیش نہیں کر سکتی۔ یہ ایسی نعمت عظمیٰ ہے کہ اس پر اللہ جل شانہ کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اور اس کی قدر دانی امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے

تفسیر ہٰذا میں حتی الامکان اصول مصرحۂ بالا کا لحاظ رکھنے کی سعی کی گئی ہے۔ واللہ الموفق وعلیہ التکلان۔ وھو یھدی السبیل۔

قرآن محبوب رب العالمین قرآن کریم اللہ سبحانہ تعالیٰ کا محبوب ترین کلام ہے۔ ہمارے امام ہمام حضرت احمد بن حنبلؒ نے جناب باری تعالیٰ شانہ کو خواب میں دیکھا۔ عرض کیا پروردگار عالم! بندہ آپ کا تقرب حاصل کرنا چاہے تو اس کی کیا تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہماری کتاب قرآن کریم کی تلاوت کیا کرے۔ پھر عرض پرداز ہوئے کہ سمجھ کر پڑھا کرے یا بے سمجھے بھی؟ ارشاد ہوا "سمجھ کر ہو یا بے سمجھے"۔ مطلب یہ کہ مسلمانوں کو تلاوت کلام پاک جاری رکھنی چاہئے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص تو فہم قرآن کریم کی استعداد نہیں رکھتا اور سمجھنے والے بھی بعض اوقات اس طرف دھیان نہیں رکھ سکتے مگر اللہ سبحانہ کا لطف عمیم ہے کہ ہر دو فریق اپنے اپنے مدارج کے اعتبار سے تقرب الٰہی حاصل کر سکتے ہیں اور یہ بھی ظاہر تر ہے کہ بے سمجھ اور سمجھدار برابر نہیں ہو سکتے۔ تراجم و تفاسیر کی اشاعت کا مقصد اولین یہی ہے کہ مسلمانوں کو قرآن کریم کے معانی و مطالب پر عبور ہو اور اس سے خیر دارین حاصل کریں۔ لہٰذا سمجھدار لوگ اگر سمجھ بوجھ کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں تو بے سمجھ کو کم از کم اتنا غور کرنا چاہئے کہ توجہ کے ساتھ دیکھ بھال سے پڑھا کریں تاکہ تلاوت میں غلطی نہ ہونے پائے۔ ہمارے پیرومرشد شیخ الشیوخ حضرت مولانا حافظ میر شجاع الدین حسین

قدس سرہ العزیز کشف الخلاصہ میں فرماتے ہیں۔ ؎

معنی گر سمجھے تو اس میں دل لگائے ورنہ سوچے لفظ، تا غلطی نہ آئے

غلط طریقہ سے تلاوت کی مذمت حدیث شریف ہے: ۔ رُبّ تال للقرآن والقرآن یلعنہ۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں میں کتنے ایسے بھی ہیں جن پر قرآن لعنت کرتا ہے"۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو لوگ صحیح طریق پر تلاوت نہیں کرسکتے وہ تلاوت ہی چھوڑ دیں بلکہ ان کو چاہئے کہ صحیح طریق پر پڑھنا سیکھیں۔ نماز ہر مسلمان عاقل وبالغ پر فرض ہے اور بغیر قرأت نماز ادا نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ صحیح طریقہ پر قرآن پڑھا کریں۔ نہ جانتے ہوں تو سیکھیں۔ کم از کم ادائے نماز کی حد تک (قدر ما یجوز بہ الصلاۃ) سیکھنا اور صحیح طور پر پڑھنا ہر ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔ موجودہ حالت بہت افسوسناک ہے کہ دنیوی علوم تو خوب سیکھ رہے ہیں مگر قرآن کریم کی طرف سے سخت غفلت برتی جا رہی ہے۔ اللہ سبحانہٗ توفیق دے۔ آمین۔

فضائلِ تلاوت تلاوت قرآن کریم کے فضائل بے شمار ہیں۔ علمائے کرامؒ نے اس بارے میں مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مختصراً اس قدر عرض ہے کہ جو لوگ ہمیشہ مشغول تلاوت رہتے ہیں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ان کی ثنا و تعریف فرمائی ہے۔

ارشادِ باری ہے: یتلون آیات اللہ آناء اللیل کلام اللہ کی آیات کی وہ لوگ رات کی (ابتدائی درمیانی اور انتہائی) گھڑیوں میں تلاوت کرتے رہتے ہیں۔" حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات واتم التسلیمات نے ارشاد فرمایا:۔ لاحسد الا فی اثنتین رجل آتاہ اللہ القرآن فھو یقوم بہ آناء اللیل و آناء النھار۔ (بخاری شریف و مسلم شریف) رشک و حسد جائز نہیں مگر دو باتوں میں۔ ایک یہ کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کسی کو دولت قرآن سرفراز فرمائی اور وہ رات دن کی ابتدائی درمیانی اور آخری ساعات میں اس کی خدمت کے لئے کمربستہ رہا کرتا ہے۔ (اور دوسرا وہ کہ اس کو مال و دولت دی ہے اور وہ اس کو راہ خدا میں رات دن مستحقین پر خرچ کرتا جاتا ہے)" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے:۔ من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا۔ (ترمذی شریف) جو کوئی شخص اللہ پاک کی کتاب کا ایک حرف بھی پڑھ لیتا ہے تو اس کو ایک نیکی ملتی ہے۔ اور ایک ایک نیکی کرنے پر دس دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں"۔ دوسری حدیث شریف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ لا اقول الم حرف، الف حرف، ولام حرف، ومیم حرف۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک ہی حرف ہے (اور اس کے پڑھ لینے پر صرف دس ہی نیکیاں ملیں گی)

بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے" (لہٰذا الم
کے پڑھنے پر تیس نیکیاں ملیں گی۔) بعض علمائے کرام نے یہاں تک فرمایا کہ الم
سے اَلَمْ تَرَ یا اَلَمْ یَجْعَلْ کا ابتدائی کلمہ الم مراد ہے۔ اس پر تیس نیکیاں
لکھی جائینگی۔ اور اگر کوئی الٓمّٓ پڑھے جس سے سورۂ بقرہ وغیرہ کی ابتدا ہوئی اور
جو حروف مقطعات کہلاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک حرف جدا جدا الف،
لام، میم پڑھا جاتا ہے تو الف کے کہنے پر تیس اور لام کہنے پر تیس اور میم کہنے پر تیس
نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اس طرح الٓمّٓ پڑھنے والے کو نوّے نیکیاں ملیں گی۔ اب اندازہ
کیجیے کہ تلاوت قرآن کریم کی کیسی فضیلت ہے؟ اگر اس کے معانی پر بھی نظر رہے اور
مطالب پر بھی غور کیا جائے تو کیسی فضیلت حاصل ہوگی؟ اور ایک ایک معنی کے سمجھنے
اور ایک ایک مطلب پر غور کرنے کا کتنا اجر ہوگا اور کتنی نیکیاں ملیں گی اندازہ نہیں
کیا جا سکتا۔ قرآن کریم کے تراجم اور تفاسیر کی اشاعت کا یہی مقصد ہے کہ برادران
باتمکین تلاوت کے ساتھ ساتھ معانی و مطالب پر بھی غور کیا کریں۔ واللہ الموفق۔

دعا کرنے والوں پر تلاوت کرنے والوں کی فضیلت

حضرت ابو سعید خُدری رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

یقول الرب سبحانہ وتعالیٰ من شغلہ القرآن و ذکری عن مسألتی

اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین وفضل کلام اللہ علی سائر الکلام کفضل اللہ علی سائر خلقہ۔ (ترمذی شریف) پروردگار سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قرآن یا میرے ذکر نے جس کو مجھ سے مانگنے کا موقع نہ دیا یعنی تلاوت وذکر میں مشغول رہ کر کوئی شخص دعا نہ کر سکا تو مانگنے والوں اور دعا کرنے والوں کو جتنا دیتا ہوں اس سے بہتر اس شخص کو دوں گا۔ اور اللہ کے کلام کی فضیلت دوسرے تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ سبحانہ کی فضیلت اس کے تمام مخلوقات پر ہے"

نورانیت اس گھر کی جہاں تلاوت ہوتی ہو

حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: البیت الذی یقرأ فیہ القرآن یتراءی لاھل السماء کما تتراءی النجوم لاھل الارض۔ (بیہقی) جس گھر میں قرآن کریم پڑھا جاتا ہو وہ گھر ساکنان افلاک کو ایسا نورانی دکھائی دیتا ہے جیسا کہ ساکنان زمین کو آسمان کے تارے درخشاں نظر آتے ہیں" حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اقرؤا القرآن فانہ یأتی یوم القیامۃ شفیعا لاصحابہ۔ (مسلم شریف) قرآن کریم کو پڑھو اور اس کی تلاوت کیا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اہل قرآن کا شفیع بن کر آئے گا" اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ نوّروا منازلکم

بالصلاۃ وقراءۃ القرآن۔ (ترمذی شریف) نماز اور تلاوت قرآن پاک سے اپنے گھروں کو نورانی بناتے رہو۔" اس سے ام المومنین کی حدیث مندرجہ بالا کی تائید ہوتی ہے۔ نیز حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ افضل عبادۃ امتی قراءۃ القرآن۔ (ترمذی شریف) قرآن کریم کی تلاوت، میری امت کی افضل ترین عبادت ہے۔"

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا خوانِ نعمت ہے

حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ کل مؤدب یحب ان تؤتی مأدبتہ ومأدبۃ اللہ القرآن فلا تھجروہ۔ (ترمذی شریف) ہر دستر خوان بچھانے والا (دعوت دینے والا) یہ چاہتا ہے کہ سب دعوتی اس کے دستر خوان پر آئیں اور اللہ سبحانہ کا دستر خوان قرآن کریم ہے (جس پر بے شمار الوان نعمت چنے گئے ہیں) لہٰذا اس کو نہ چھوڑو۔" حضرت عبیدہ مُلَیکیؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یا اھل القرآن لا توسدوا القرآن واتلوہ حق تلاوتہ آناء اللیل والنھار وافشوہ وتدبروا ما فیہ لعلکم تفلحون (ترمذی شریف) اے قرآن والو! قرآن کریم کو پس پشت نہ ڈالو۔ اس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔ یعنی جیسی کہ اس کی تلاوت کرنی چاہیے۔

رات اور دن کی ابتدائی، درمیانی اور آخری ساعات ہیں۔ اور اس کو پھیلاؤ (اس کی اشاعت کرتے رہو) اور اس میں جو کچھ لکھا ہے اس میں غور و فکر کیا کرو تاکہ تمہاری نجات ہو۔" حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے :۔ اهل القرآن اهل الله۔ قرآن کریم کے دلدادہ لوگ ہی اللہ والے ہیں۔"

سلف صالحین کا شوق تلاوت

سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو تلاوت قرآن کا شوق و رغبت اور شغف کس درجہ تھا اس کا اندازہ واقعات ذیل سے کیا جا سکتا ہے :۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض اصحاب، رات دن میں روزانہ قرآن کریم کے آٹھ آٹھ ختم کیا کرتے تھے چار رات میں اور چار دن میں۔ بعض رات دن میں چار، بعض تین، بعض دو، بعض صرف ایک۔ جیسا کہ حضرت جامع القرآن سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت مروی ہے کہ آپ نے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن کریم ختم فرمایا تھا۔ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں ہے کہ آپ رمضان شریف میں روزانہ نفل نمازوں میں رات کو ایک اور دن میں ایک ختم کیا کرتے تھے اور تراویح میں پورے مہینہ میں ایک۔ اس طرح مہینے بھر میں (۶۱) ختم فرماتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ سلف صالحین کے ذاتی اور شخصی اعمال تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے انکے روزانہ اوقات میں وسعت اور برکت عطا فرمائی تھی، رضی اللہ عنہم مگر شرع شریف نے اپنے متبعین کو جو سہولت بخشی ہے اور اس کو بھی مستحب قرار دیا ہے اس کی وضاحت احادیث شریفہ مندرجہ ذیل سے ہوتی ہے۔

شریعت مطہرہ کی تسہیل و تیسیر

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں:۔ قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرأ القرآن فی شھر قلت انی اجد قوۃ قال اقرأہ فی عشر قلت انی اجد قوۃ قال اقرأہ فی سبع ولا تزد علی ذلک۔ (بخاری شریف ومسلم شریف) حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم (کا ختم) مہینہ میں (ایک دفعہ) کیا کرو۔ (یعنی روزانہ ایک پارہ) میں نے عرض کیا کہ میں اپنے میں اس سے بھی زیادہ پڑھنے کی طاقت پاتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ دس دن میں (ایک ختم) کیا کرو۔ (یعنی روزانہ تین پارے) میں پھر عرض پرداز ہوا کہ میں اس سے بھی زیادہ کی قوت پاتا ہوں۔ اس پر ارشاد مبارک ہوا کہ سات دن میں ایک ختم کیا کرو۔ (یعنی روزانہ ایک منزل) اس پر مزید اضافہ نہ کرنا" حضرت سعید بن المنذرؓ فرماتے ہیں:۔ قلت یا رسول اللہ اقرأ القرآن فی ثلاث قال نعم ان استطعت۔ (امام احمدؒ ابوعبید) میں نے

عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا میں تین تین دن میں قرآن کریم کا ختم کیا کروں؟ ارشاد فرمایا
کہ ہاں کرسکتے ہو اگر تم سے ہو سکے"۔ ان ہر دو احادیث شریفہ کے منجملہ ایک میں عبداللہ بن
عمرو کو روزانہ ایک منزل سے زیادہ نہ پڑھنے کی ہدایت اور سعید بن المنذر کو روزانہ دس
پارے پڑھنے کی اجازت' ہر ایک کے حالات کی بنا پر ہے جن سے حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم بذریعہ وحی واقف تھے۔ لہٰذا ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

تلاوت عہد صحابہ کرامؓ میں علامہ سیوطیؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے:۔ ویلیہ من
ختم فی اربع ثمّ فی خمس ثمّ فی ست ثمّ فی سبع وھذا اوسط الامور
واحسنھا وھو فعل الاکثرین من الصحابۃ وغیرھم (اتقان) (حضرت
سعید بن المنذرؓ ہی ایک ایسے صحابی ہوئے ہیں جو تین دن میں ایک ختم فرمایا کرتے تھے
ورنہ) ان کے قریب قریب بعض اصحاب وہ تھے جو چار دن میں' بعض پانچ دن میں' بعض
چھ میں اور بعض سات دن میں قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے ایسا عمل اکثر صحابہ کرام اور تابعین
وغیرہم کا تھا۔ یہ تلاوت کا اوسط درجہ اور احسن طریقہ ہے"۔ کیونکہ اتنی مقدار تلاوت
سمجھ بوجھ کر آسانی کے ساتھ جاری رکھی جاسکتی ہے۔ حضرت مکحول تابعیؒ فرماتے ہیں:۔
کان اقویاء اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأون القرآن
فی سبع وبعضھم فی شھر وبعضھم فی شھرین وبعضھم فی اکثر من ذالک

(ابن ابی داؤد) حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قوی تر اصحاب ایسے بھی تھے جو قرآن کریم کو ایک ہفتہ میں ختم کیا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض ایک مہینہ میں ختم کرتے اور بعض دو مہینے یا اس سے زیادہ مدت میں ایک ختم کیا کرتے"

ائمہ دینؒ کے اقوال | فقیہ ابو اللیث سمرقندی حنفیؒ سے اس سے بھی زیادہ سہولت مروی ہے چنانچہ فقیہ موصوف لکھتے ہیں:۔ ینبغی للقاریٔ ان یختم فی السنۃ مرتاین ان لم یقدر علی الزیادۃ۔ (بستان) قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کے لئے سزاوار یہ ہے کہ (کم از کم) سال بھر میں دو ختم کیا کرے۔ اگر اس سے زیادہ پڑھنے پر قادر نہ ہو" اس کی تائید میں امام حسن بن زیاد لولویؒ کی روایت نقل کی ہے:۔ عن ابی حنیفۃ رضؓ انہ قال من قرأ القرآن فی کل سنۃ مرتاین فقد ادی حقہ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرض علی جبریل فی السنۃ التی قبض فیھا مرتاین۔ (بستان) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضؓ نے فرمایا کہ جس نے قرآن کریم کو ہر سال دو دفعہ بھی ختم کیا تو اس نے اس کا حق ادا کر دیا۔ کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس سال جس میں آپ کی وفات شریف عمل میں آئی دو دفعہ پورا قرآن کریم سنایا تھا" فقیہ حنفی ابو البرکات نسفیؒ نے اپنی مشہور و معتبر کتاب کنز الدقائق میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ حافظ قرآن کو چاہیے کہ

کم ازکم چالیس دن میں ایک ختم کیا کرے۔ ہمارے امام حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:۔ یکرہ تاخیر ختمہ اکثر من اربعین یوما بلا عذر لان عبد اللّٰہ ابن عمرؓ سأل النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم فی کم تختم القرآن قال فی اربعین یوما (ابوداؤد شریف) بغیر کسی عذر کے ختم قرآن کو چالیس دن سے زیادہ مدت تک تاخیر میں ڈالنا مکروہ ہے۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کتنے دنوں میں ختم فرمایا کرتے ہیں؟ ارشاد ہوا چالیس دن میں۔" امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں:۔ المختار ان ذلک یختلف باختلاف الاشخاص فمن کان یظہر لہ بدقیق الفکر لطائف ومعارف فلیقتصر علی قدر یحصل لہ معہ کمال فہم ما یقرأ وکذلک من کان مشغولا بنشر العلم او فصل الحکومات او غیر ذلک من مہمات الدین والمصالح العامۃ فلیقتصر علی قدر لا یحصل بسببہ اخلال بما ہو مرصد لہ ولا فوات کمالہ وان لم یکن من ہؤلاء المذکورین فلیکثر ما امکنہ من غیر خروج الی حد الملل او الھذرمۃ فی القراءۃ۔ (اتقان) مذہب مختار یہ ہے کہ ختم قرآن کی مدت، لوگوں کے مشاغل اور دیگر مصروفیات کے اعتبار سے جدا گانہ ہے۔ دقیق النظر باریک بین اصحاب جن پر لطائف ومعارف منکشف ہوتے ہیں ان کو

اسی حد پر بس کر دینا چاہیئے کہ ان کے کمال فہم میں فرق نہ آنے پائے۔ اسی طرح جو بزرگ اشاعتِ علم یا فصل خصومات وغیرہ مہمات اور مصالح عامہ میں مشغول ہوں ان کو بھی اس حد پر بس کر دینا چاہیئے جس سے ان کے مشاغل خلل پذیر نہ ہونے پائیں اور جن سے جو فرائض متعلق ہیں ان کی ادائگی فوت نہ ہو۔ ان کے سوا دوسرے اشخاص حتی الامکان حد تک تلاوت میں زیادہ حصہ لے سکتے ہیں اس میں بھی اس کا لحاظ رہے کہ طبیعت اکتا نہ جائے۔ اور نہ محض مقدار معینہ کو ختم کرنے کی خاطر تیز روی اور زود خوانی سے کام لیں بلکہ سمجھ سمجھ کر باطمینان خاطر مشغول تلاوت رہیں۔ بہرحال تلاوت قرآن کریم روزانہ کتنی مقدار میں ہونی چاہیئے شرع شریف میں اس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی گئی بلکہ اس کو افراد امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے، خواہ روزانہ ایک منزل ہو یا ایک جزو، یا ایک سورہ، یا ایک رکوع حتی کہ اگر کوئی روزانہ ایک آیہ کریمہ ہی پڑھ لیا کرے تو ان شاء اللہ اس کا شمار غافلین میں نہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے:۔ بلّغوا عنّی ولو آیۃ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری طرف سے قرآن کریم کی تبلیغ کیا کرو اگرچہ کم از کم ایک آیۃ ہی کیوں نہ ہو" مگر مشورہ یہ ہے کہ روزانہ اس کا سلسلہ جاری رہے۔ اور سال بھر میں کم از کم دو ختم کیا کرے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ ہاں حافظ قرآن کو کم از کم چالیس دن میں ایک ختم ضرور کرنا سزاوار ہے۔ ورنہ بھول جانے کا اندیشہ ہے

قرآن کریم کو یا اس کے کسی جزو کو یاد کرکے بھول جانا یا پڑھنا سیکھ کر پھر بھول جانا گناہ کبیرہ ہے۔ حدیث شریف میں تاکید فرمائی گئی ہے:۔ تعاهدوا القرآن فوالذی نفسی محمد بیدہ لھو اشد تفلتا من الابل فی عقلھا (بخاری شریف مسلم شریف) قرآن کریم کا تحفظ کیا کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے قرآن اس سے بھی جلد (لوگوں کے سینہ سے) نکل جاتا ہے جس طرح اونٹ بندھن سے نکل بھاگتا ہے۔" یہ بھی آیا ہے:۔ عرضت علی ذنوب امتی فلم ار ذنبا اعظم من سورۃ من القرآن او آیۃ اوتیھا رجل ثم نسیھا۔ (ابوداؤد شریف) مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کئے گئے تو میں نے اس سے بڑا گناہ اور کوئی نہیں دیکھا کہ کسی کو کوئی سورت یا آیت قرآن کریم کی عنایت ہوئی تھی پھر وہ اس کو بھول گیا۔" یہ ہدایت خوب یاد رہے۔ وباللہ التوفیق۔

آداب تلاوت یہ امر مسلم ہے کہ کسی کتاب کو پڑھنا صاحب کتاب سے معنوی طور پر ہم کلام ہونا اور ان کی ہم نشینی سے مشرف ہونا ہے لہٰذا صاحب کتاب کی منزلت کو پیش نظر رکھنا اور ان کا پاس ادب ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن کریم اللہ سبحانہ کا کلام اور اس کی مقدس کتاب ہے۔ کوئی کتاب اس کی ہمسری نہیں کر سکتی جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں ہو سکتا لہٰذا یہ سعادت منشاء اللہ سبحانہ کا

وہ سعید بندہ جو روزانہ کلام پاک کی تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہو۔ تلاوت کلام پاک بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور بارگاہ قدس میں معنوی حاضری ہے۔ لہذا پاس ادب کو ملحوظ خاطر رکھنا از بس ضروری ہے۔ نظر بر آں قارئین کرام کی آگاہی کے لئے چند ضروری آداب و احکام بیان کئے جاتے ہیں ہمیشہ ان کو پیش نظر رکھا جائے۔

۱۔ **طہارت قاری** ۔ جن لوگوں پر غسل واجب ہے ان کے لئے اس حالت میں قرآن کریم کو بغیر غلاف کے ہاتھ لگانا یا زبانی تلاوت کرنا حرام ہے۔ البتہ وہ بغیر ہاتھ لگائے دیکھ سکتے اور دل ہی دل میں اس پر غور کر سکتے ہیں، زبان سے نہیں پڑھ سکتے۔ اور جو بے وضو ہوں وہ زبانی پڑھ سکتے ہیں لیکن بغیر غلاف کے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ مستحب یہ ہے کہ زبانی تلاوت بھی باوضو کیا کریں۔ اور مسواک بھی کر لیں۔ حدیث شریف ہے: ان افواھکم طرق للقرآن فطیبوھا بالسواک (ابن ماجہ، بزار) یقین جانو کہ تمہارے منہ قرآن کریم کی راہیں اور گزرگاہیں ہیں لہذا ان کو مسواک سے پاک صاف کرلو۔"

۲۔ **طہارت مکان** ۔ جس جگہ تلاوت کی جاتی ہو وہ مقام پاک صاف ہو، مسجد سب سے افضل ہے۔ بخور جلانا، یا خوشبو کا استعمال کرنا مستحسن ہے۔ نجس اور گندہ مقامات میں تلاوت نہ کریں۔ جیسے حمام، غسل خانے اور مسالخ وغیرہ۔

۳۔ **توجہ الی القبلہ** ۔ مستحب ہے کہ تلاوت کے وقت قبلہ رو رہیں۔ دو زانو ہو کر

خشوع وخضوع سکون وخاطر جمعی کے ساتھ بیٹھیں۔ باوقار رہیں۔ بے ضرورت اِدھر اُدھر نہ دیکھیں اور غیر ضروری باتیں نہ کریں۔ دل میں یہ تصور رہے کہ میں باری تعالیٰ شانہ کے حضور میں حاضر اور حق تعالیٰ شانہ سے ہم کلام ہوں۔

۴۔ **تعوذ**۔ تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھیں۔ ارشاد باری ہے :۔ واذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم اور جب تم قرآن پڑھنا چاہو تو شیطان رجیم کے شر سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو" اگر دوران تلاوت میں کسی سے بات چیت کی گئی یا تلاوت کو روک کر کوئی کام کرنا پڑا تو مستحب یہ ہے کہ دوبارہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے تعوذ کا اعادہ کر لیا جائے۔

۵۔ **تسمیہ**۔ اسی طرح آغاز تلاوت پر تعوذ کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی پڑھیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے :۔ کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ ببسم اللہ فھو ابتر۔ جس کسی قابل لحاظ کام کی ابتدا بسم اللہ سے نہ کی جائے وہ دم بریدہ (ناقص) رہ جاتا ہے" نیز ہر سورت شریفہ کی ابتدا میں بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا چاہیے جیسا کہ مصاحف مبارکہ میں قرآن کریم کی ہر سورت شریفہ کے آغاز پر تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم مکتوب ہے۔ البتہ سورۂ برائت میں چونکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم مکتوب نہیں ہے۔ اس لئے یہاں بسم اللہ نہ پڑھیں لیکن اگر تلاوت کی ابتدا سورت

برائت ہی سے ہو رہی ہو تو یہاں بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا چاہئے۔ البتہ اگر سورۂ برائت سے ابتدا نہ ہو بلکہ سورۂ انفال ختم کر کے اس کے ساتھ ہی سورت برائت شروع کی جا رہی ہے تو بسم اللہ نہ پڑھیں۔

۶۔ **تفخیم** ۔ یعنی قرآن کریم کو مردانہ شاندار آواز سے پڑھیں جیسے کوئی حاکم اعلیٰ حکم دے رہا ہو۔ یا خطیب خطبہ دے رہا ہو۔ سُریلی باریک آواز سے نہ پڑھیں جس سے آواز میں زنانہ پن ظاہر ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ۔ نزل القرآن بالتفخیم (حاکم) قرآن شاندار لہجہ کے ساتھ نازل ہوا ہے۔"

۷۔ **قراءت بالجہر یا بالسر**۔ قرآن کریم کی تلاوت بالجہر یعنی دوسروں کو سنائی دینے والی آواز سے ہو یا بالسر یعنی صرف اپنے آپ کو سنائی دے اور دوسروں کو سنائی نہ دے سکے دونوں طریقوں سے موقع و محل کا لحاظ کرتے ہوئے جائز ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

ما اذن اللہ لشیئٍ ما اذن لنبیٍّ حسن الصوت یتغنّی بالقرآن یجہر بہ (بخاری شریف و مسلم شریف) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کسی چیز سے لطف اندوز ہونے کی اتنی اجازت نہیں دی جتنی کہ ایک نہایت ہی خوش آواز نبی کو قرآن (اللہ کی کتاب) دوسروں کو سنائی دینے والی آواز سے پڑھتے ہوئے لطف اندوز ہونے (اور دوسروں کو اس کا لطف اٹھانے کا موقع دینے) کی اجازت دی ہے۔" یہ حضرت داؤد علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف

اشارہ ہے کہ جب آپ اللہ کی کتاب (زبور شریف) کی تلاوت بالجہر فرماتے تو اطراف کے پہاڑ گونج جاتے اور تاثیر کا یہ عالم ہوتا کہ ہوا اور پانی کی روانی بند ہو جاتی، پرندے اس کو سننے کی خاطر اپنی پرواز چھوڑ دیتے اور ہمہ تن گوش ہو کر محو سماعت ہو جاتے۔ ارشاد باری ہے واذکر عبدنا داؤد ذا الایدِ انّہ اوّابٌ انّا سخّرنا الجبال معہ یسبّحن بالعشیّ والاشراق۔ والطیر محشورۃ کلٌّ لہ اوّاب۔ اور (اے نبی کریم!) ہمارے ایک قوت والے بندے داؤدؑ کو یاد کیجیے وہ تھے (ہمیشہ) رجوع (بحق) رہنے والے۔ ہم نے پہاڑوں کو تابع کر دیا تھا جو ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کرتے۔ اور پرندوں کو (بھی تابع کر دیا تھا) جو جمع ہو کر (تسبیح خداوندی میں مشغول اور) سب ان کے آگے رجوع رہتے۔" یہ قرأت جہریہ کا بیان ہوا۔ قرأت سریہ کی فضیلت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔ الجاھر بالقرآن کالجاھر بالصدقۃ والمسر بالقرآن کالمسر بالصدقۃ۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) سنائی دینے والی آواز سے قرآن کو پڑھنا، علانیہ خیرات کرنے والے کے مانند ہے اور آہستہ قرآن پڑھنے والا، پوشیدہ طور پر خیرات کرنے والے کی طرح ہے۔" ظاہر ہے کہ علانیہ خیرات پر چھپی خیرات کو فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:۔ ان تبدوا الصدقات فنعمّا ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم۔ اگر تم علانیہ خیرات دیا کرو تو یہ بھی اچھی بات ہی ہے اور اگر پوشیدہ طریقہ

اختیار کرو اور محتاجوں کو دیتے رہو تو یہ صورت تمہارے لئے بہت ہی اچھی ہے''

ان دونوں قسم کی روایات کے پیش نظر امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جہاں ریا و نمود کا اندیشہ ہو یا مسجد وغیرہ میں نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو یا لوگ کسی کام میں مشغول ہیں یا سونے والوں کی نیند خراب ہوتی ہو تو تلاوت آہستہ کرنا افضل ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ اعتکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد فسمعھم یجھرون بالقراءۃ فکشف الستر وقال الا ان کلکم مناج لربہ فلا یؤذین بعضکم لبعض ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القراءۃ (ابوداؤد) حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد شریف میں معتکف تھے صحابہ کرام کی آواز سماعت فرمائی کہ زور زور سے تلاوت کر رہے ہیں۔ آپ نے پردہ اٹھا کر فرمایا کہ تم سب اپنے پروردگار سے مناجات کر رہے ہیں لہذا کوئی کسی کو ایذا نہ پہنچائے اور نہ تلاوت میں اپنی آواز دوسروں کی آواز پر بلند کرے'' اور جہاں ایسا اندیشہ نہ ہو تو بالجہر تلاوت افضل ہے کہ سامعین کو بھی اس کا اجر ملتا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ خود قاری کا دل بھی بیدار رہتا ہے' اور اپنے پڑھے ہوئے پر غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ نیند دفع ہوتی ہے۔ اور طبیعت میں چستی پیدا ہوتی اور تلاوت کا شوق بڑھتا ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کچھ حصہ تلاوت کا بالجہر اور کچھ بالسر ہونا چاہئے' آہستہ

پڑھتے پڑھتے طبیعت اکتا جاتی ہے تو جہر سے مدد لے اور اگر جہر سے پڑھتے پڑھتے تھک جائے تو آہستہ تلاوت جاری رکھے کہ تکان دفع کرے۔ بہرحال موقع ومحل کا لحاظ کرکے حسب معمول ایدید عمل کرے۔

۸۔ **قراءت فی المصحف**۔ یعنی تلاوت کے وقت مصحف شریف کو سامنے رکھ کر اس میں دیکھتے ہوئے تلاوت کریں۔ اگرچہ تلاوت کرنے والا حافظ قرآن ہو۔ اس میں ایک فائدہ ہے کہ دیکھ کر پڑھنے سے کسی غلطی کا احتمال نہیں رہتا اور نہ کوئی حصہ چھوٹنے پاتا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مصحف شریف میں نظر کرنا بھی عبادت ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ معانی ومطالب پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ زبانی پڑھنے میں یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔ حضرت اوس ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ قراءۃ الرجل من غیر المصحف الف درجۃ وقراءتہ فی المصحف تضاعف الفی درجۃ۔ (طبرانی بیہقی) انسان کا مصحف شریف میں دیکھے بغیر (محض زبانی) پڑھنا ہزار درجہ فضیلت رکھتا ہے اور مصحف شریف میں دیکھتے ہوئے پڑھنا دو ہزار درجے فضیلت رکھتا ہے۔" یعنی اس کا اجر دگنا ہے۔ یہ بھی آیا ہے:۔ فضل قراءۃ القرآن نظرا علی ما یقرأ ظاھرا کفضل الفریضۃ علی النافلۃ۔ (ابوعبید) قرآن کریم کو دیکھ کر پڑھنے کی فضیلت اس کو زبانی پڑھنے پر ایسی ہی ہے جیسی کسی فریضہ کی فضیلت نفل پر ہے۔" نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من سرہ ان یحب اللہ ورسولہ فلیقرأ فی المصحف۔ (بیہقی) جس کو مسرت ہو اس بات کی کہ اس کو خدا اور اس کے رسول کی محبت حاصل ہو تو اس کو مصحف شریف میں دیکھ کر تلاوت کرتے رہنا چاہیے" اور حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بھی فرمایا: ادیموا النظر فی المصحف (بیہقی) ہمیشہ مصحف شریف میں نظر کرتے رہو" ہاں اگر کوئی قرآن کریم کے حفظ کے سلسلہ میں دور کرتے ہوں تو وہ زبانی پڑھ سکتے ہیں یا اس کے بغیر بھی زبانی تلاوت کرنا چاہیں تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔ بیان مذکور صرف فضیلت کی حد تک ہے۔

۹۔ ترتیل یعنی قرآن کریم کو سمجھ سمجھ کر اس طرح پڑھنا کہ ایک ایک کلمہ اور اس کا ایک ایک حرف صاف صاف ادا ہو۔ یہ جب ہوتا ہے کہ حروف کے مخارج اور ان کے صفات معلوم ہوں اور ان کو صحیح طریقہ پر ادا کیا جائے۔ حروف اور کلمات ایک دوسرے میں خلط ملط نہ ہونے پائیں۔ جو کچھ پڑھا جا رہا ہے وہ کھلے طور پر صاف صاف سمجھ میں آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ربانی ہوا: ورتّل القرآن ترتیلا۔ قرآن شریف کو کھول کھول کر صاف صاف پڑھئے" ام المومنین سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے: انھا نعتت قراءۃ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم قراءۃ مفسّرۃ حرفاً حرفاً۔ (ابوداؤد) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت شریفہ کو

ام المومنین نے اس طرح بتلایا کہ ایک ایک حرف صاف طور پر سمجھ میں آرہا تھا۔ حضرت انس رضی سے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت شریفہ کی کیفیت دریافت کیگئی کہ آپ قرآن کریم کو کس طرح پڑھا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: کانت مدّا ثم قرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم یمدّ اللہ و یمدّ الرحمن و یمدّ الرحیم۔ (بخاری شریف) مدّ کیا تھا (حروف مدہ کو) جو واؤ، الف اور یاء ہیں۔ دراز کرکے پڑھا کرتے تھے۔ پھر (مثال کے طور پر) بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھکر بتلایا کہ اللہ اور رحمٰن (کا الف) دراز کرکے پڑھا کرتے اور رحیم (کی یاء کو بھی) دراز فرماتے " یعنی الف کو دو فتحات کے برابر اور یاء کو دو کسرات کے برابر (اسی طرح واؤ کو دو ضموں کی مقدار دراز فرماتے۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ ترتیل کا طریقہ قراء کرام سے سیکھنے کی ضرورت ہے تا معلوم ہو کہ ہر حرف کا مخرج کیا ہے اور اس کے صفات کیا کیا ہیں ؟ اور اس کو صحیح طور پر ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ ت اور ط میں، ث اور س و ص میں، ح اور ہ میں، خ اور ق میں، ع اور ہمزہ میں کیا فرق ہے اور ان میں سے ہر ایک کو تمیز اور ذ و ض و ظ میں کس طرح فرق کرنا چاہیئے یہ کسی قاری سے سیکھے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔ مخارج اور صفات کا سیکھنا ضروری ہے۔ اس کے سوا بھی چند قواعد ہیں ان کا سیکھ لینا بھی مستحسن ہے

اور یہ کوئی مشکل نہیں۔ چند روز کی توجہ سے یہ مرحلہ طے ہو سکتا ہے۔ جملہ (۲۸) حروف ہیں اگر کوئی روزانہ ایک حرف کا مخرج اور اس کے صفات ہی سیکھ لے تو مہینہ بھر کے اندر ہی واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے۔ قراء کرام کی کمی نہیں، دکن میں ہمارے عروس البلاد حیدرآباد کو فی زمانا قراء کرام کی مرکزیت حاصل ہے۔ الحمد للہ علی ذلک۔

۱۰۔ تدبر و تفکر۔ یعنی قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ اس کے معانی و مطالب پر غور و فکر کرنا۔ یہ کام علمائے کرام کا ہے۔ نیز ان اصحاب کا جو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ تلاوت کلام پاک کا یہی مقصود اعظم اور مطلوب اہم ہے۔ اس سے شرح صدر ہوتا اور دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ باری تعالی عز اسمہ کا ارشاد ہے: ـــــ

کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولوا الالباب۔ (قرآن کریم) وہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف اتارا تاکہ یہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور جو عقل مند ہیں وہ اس سے نصیحت لیں" دوسری جگہ ارشاد ہوا: ـــ افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا۔ کیا یہ لوگ قرآن کریم میں غور و فکر نہیں کرتے یا دلوں پر ان کے قفل لگا دیے گئے ہیں" کہ اس کی برکت اور نصیحت ان کے دلوں میں اترنے ہی نہیں پاتی؟ اور ایسی بیسیوں آیات ہیں جن کے ذریعہ دعوت غور و فکر دی گئی اور اس کو سراہا گیا ہے۔

آیات کریمہ میں غور و فکر کا طریقہ

آیات کریمہ میں غور و فکر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر آیہ کریمہ کے معنی و مطالب پر غور کرتے رہیں اور ان میں جو امر و نواہی آئیں ان کو دل سے قبول کریں اور سوچیں کہ ہم ان کی تعمیل کس حد تک کر رہے ہیں؟ اگر کسی جگہ رحمت کا بیان آئے تو اس سے خوش ہوں اور اس کی درخواست کریں۔ اور اگر عذاب کا ذکر ہو تو اس سے ڈرتے رہیں اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈیں، باری تعالیٰ کی تنزیہ بیان ہو رہی ہے تو خود بھی تنزیہ کا اقرار کریں۔ عظمت باری کا بیان ہو تو اللہ سبحانہ کی عظمت و جلال کو پیش نظر رکھیں۔ کوئی دعا ہو تو تضرع و زاری کا اظہار کریں اور اس کے طالب ہوں۔

حضور اقدس ؐ کی قرأت سے سبق

حضرت حذیفہ رضؓ فرماتے ہیں: — صلّیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فافتتح البقرۃ فقرأھا ثم النساء فقرأھا ثم آل عمران فقرأھا یقرأ مترسلاً اذا مر بآیۃ فیھا تسبیح سبح واذا مر بسؤال سأل واذا مر بتعوذ تعوذ (مسلم شریف) ایک رات حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے ساتھ میں نے نماز (تہجد) پڑھی۔ آپ نے (سورہ فاتحہ ختم کرکے) سورہ بقرہ شروع فرمایا پھر (پہلی رکعت میں) اس کو ختم فرما دیا۔ پھر (دوسری رکعت میں) سورہ نساء پڑھنا شروع کیا اس کو بھی ختم فرمایا۔ (دوسرے

دوگانے ہیں) سورۂ آلِ عمران شروع کیا اس کو بھی ختم فرمایا۔ آپ کی قرأت دھیرے دھیرے ہوتی تھی۔ جب کسی آیت میں تسبیح ہوتی تو آپ سبحان اللہ فرماتے۔ اور کسی درخواست کی تلقین ہوتی تو آپ درخواست فرماتے۔ کہیں پناہ مانگنے کا بیان ہوتا تو آپ اللہ سبحانہٗ کی پناہ لیتے۔" حضرت عوف بن مالکؓ کا بیان ہے:۔ قمت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فقام فقرأ سورۃ البقرۃ لایمر بآیۃ رحمۃ الا وقف وسأل ولایمر بآیۃ عذاب الا وقف وتعوذ (ابوداؤد، نسائی وغیرہما) حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک رات (تہجد کے لئے) میں اٹھا۔ تو آپ نے (نماز کے لئے) قیام فرمایا (اس میں) آپ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی (حالت یہ تھی کہ) آپ کوئی آیت کریمہ پڑھتے جس میں رحمت کا بیان ہوتا تو آپ توقف فرماتے اور اس کی درخواست کرتے۔ (اسی طرح) کوئی آیت عذاب ہوتی تو اس پر بھی وقفہ فرماتے اور پناہ مانگتے۔" نوافل میں آپ کا یہ عمل تھا۔ ہم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔ فرض نمازوں میں ایسا عمل مقتدیوں پر گرانی کا موجب ہوتا ہے اور گرانی پیدا کرنا مکروہ ہے۔

چند مخصوص سورتوں کی قراءت کا ادب

ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف میں ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ من قرأ والتین والزیتون فانتھی الی آخرھا فلیقل بلی وانا علی ذلک من الشاھدین

ومن قرأ لا اقسم بیوم القیامۃ فانتھی الی آخرھا الیس ذلک بقادر علی

ان یحیی الموتی فلیقل بلیٰ ومن قرأ والمرسلات فبلغ فبای حدیث

بعدہ یؤمنون فلیقل آمنا باللہ ۔جو کوئی والتین والزیتون کی سورت

پڑھے اور اس کے آخر میں (الیس اللہ باحکم الحاکمین پر) پہنچے (جس میں یہ سوال ہوا

ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کیا تمام حاکموں کا حاکم اعلیٰ نہیں ہے ؟) تو اس کا یوں جواب دینا

چاہیئے بلیٰ وانا علی ذلک من الشاھدین ۔کیوں نہیں اور میں بھی اس پر گواہی

دینے والوں سے ہوں ۔ اور جو سورہ لا اقسم بیوم القیامۃ پڑھے اور اس کی آخری

آیۂ کریمہ الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی پر پہنچے (جس میں دریافت فرمایا

جا رہا ہے کیا وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ؟) تو اس کو جواباً یوں کہنا چاہیے :۔

بلیٰ ۔کیوں نہیں ؟ (پوری طرح قادر ہے) ۔اور جو سورہ والمرسلات پڑھے اور اسکی

آخری آیت فبای حدیث بعدہ یؤمنون پر پہنچے (جس میں استفسار فرمایا جا رہا

ہے کہ یہ لوگ پھر کس بات پر ایمان لائیں گے ؟) تو جواب میں یوں کہنا چاہیے :۔

آمنا باللہ ۔ہم تو اللہ سبحانہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے " اسی طرح سورہ فاتحہ کے ختم پر

آمین کہے ۔بعض روایات میں آمین تین دفعہ کہنا بھی آیا ہے ۔ایک روایت میں

رب اغفرلی آمین کہنا بھی وارد ہوا ہے اگر تلاوت خارج نماز کی جا رہی ہو تو ان

روایات کی بموجب بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔ سورۂ بقرہ کا اختتام چونکہ سورۂ فاتحہ کی طرح دعا پر ہوا ہے اس کے ختم پر بھی آمین کہیں۔

۱۱۔ تکریر۔ دوران تلاوت میں کسی آیہ کریمہ کے پڑھنے سے دل پر اثر ہو اور اس کو بار بار پڑھنے کو جی چاہے تو مضائقہ نہیں کہ اس کو دہرا لیا جائے۔ جیسے سورۂ بقرہ کے آخر پر واعف عنّا واغفر لنا وارحمنا کو عام طور پر دہرایا جاتا ہے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں:۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام بآیۃ یردّدھا حتّی اصبح ان تعذّبھم فانّھم عبادک۔ (نسائی شریف وغیرہ) حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ (تہجد میں سورۂ مائدہ کی آیہ کریمہ) ان تعذّبھم فانّھم عبادک پر پہنچے تو اس کو بار بار دہراتے رہے تا آنکہ صبح ہو گئی۔" اس آیہ کریمہ کا ترجمہ یہ ہے کہ (بار الہا!) اگر آپ ان لوگوں کو عذاب دینا چاہیں تو وہ آپ کے بندے ہی ہیں (جو چاہیں ان کے ساتھ سلوک فرما سکتے ہیں) اور اگر آپ ان کو بخش دیں (تو یہ بھی آپ کی رحمت و مغفرت سے بعید نہیں ہے) کیونکہ آپ سب پر غالب اور حکمت والے ہیں۔"

۱۲۔ تضرع وزاری۔ تلاوت قرآن کریم کی حالت میں تضرع وزاری سے کام لینا بھی مستحب ہے۔ کیونکہ کتنے احکام و اوامر ہیں جن کی ہم نے خلاف ورزی

ہوئی۔ اور ایسے کتنے نواہی ہیں جن کا ارتکاب کیا گیا۔ ان میں سے جن اوامر و نواہی وغیرہ کا بیان فرمایا جا رہا ہے ان کی تلاوت کرتے ہوئے فطری امر ہے کہ رقت طاری ہوگی اسی طرح اگلی اقوام پر جو عذاب نازل ہوا اس کو پڑھ کر بے اختیار آنسو رواں ہوں گے۔ ایسے مواقع پر اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی صورت بنا لینی مستحب ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو زاری پسند ہے اور زاری کرنے والوں کی ثنا فرمائی ہے۔ ارشاد باری ہے :۔ اذا تتلی علیھم آیات الرحمٰن خرّوا سجدًا پارہ ۱۶
و بکیّا۔ جب ان پر (خدا سے) رحمٰن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں" سورۂ بنی اسرائیل میں ہے :۔ یخرّون للاذقان یبکون و یزیدھم خشوعا۔ (آیات اللہ پڑھ کر) وہ ٹھڈیوں کے بل پارہ ۱۵
گرتے ہوئے روتے جاتے ہیں اور ان کے خشوع میں اضافہ ہوتا جاتا ہے" صحیحین کی حدیث شریف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن کریم سنانے کی فرمائش فرمائی۔ انھوں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی۔ جب اس آیۂ کریمہ پر پہنچے :۔ فکیف اذا جئنا من کلّ امۃ بشھید وجئنا بک علی ھٰؤلاء شھیدا۔ یعنی وہ وقت کیسا ہوگا جبکہ ہر امت سے ہم ایک ایک گواہ لائیں گے اور آپکو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے؟

تو ابن مسعودؓ نے حضور اقدسؐ کی طرف نظر کی کیا دیکھتے ہیں :۔ فاذا عیناہ تذرفان
اس وقت چشمان مبارک رواں تھیں "۔ حضرت سعد بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور
سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ انّ ھذا القرآن نزل بحزن وکآبۃ
فاذا قرأتموہ فابکوا فان لم تبکوا فتباکوا۔ (بیہقی فی الشعب) یقین جانو کہ یہ قرآن
حزن اور درد کو لئے ہوئے اترا ہے۔ لہٰذا جب تم اس کی تلاوت کرو تو روتے جاؤ، پھر اگر
رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ "۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے :۔
احسن الناس قراءۃ من اذا قرأ القرآن قرأ یتحزّن۔ (طبرانی) سب لوگوں
میں اچھی قراءت اس کی ہے جو قرآن کریم پڑھتا ہے تو محزون ہو کر پڑھتا ہے "۔

۱۳۔ حسن الصوت یعنی قرآن کریم کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا سنت ہے۔
حدیث شریف ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ زیّنوا
القرآن باصواتکم (ابن حبان وغیرہ) قرآن کریم کو اپنی (خوش آوازی) سے زینت دو "
اور دوسری حدیث شریف ہے :۔ حسنوا القرآن باصواتکم فانّ الصوت الحسن
یزید القرآن حسنا۔ (دارمی) قرآن کریم میں اپنی اچھی آوازوں سے حسن پیدا کرتے
رہو کیونکہ خوش آوازی قرآن کریم کے حسن میں اضافہ کرتی ہے "۔ اور ایک حدیث
شریف ہے :۔ حسن الصوت زینۃ القرآن۔ (بزاز وغیرہ) خوش آوازی

قرآن کی زینت اور آراستگی ہے۔" اس بارے میں احادیث صحیحہ بکثرت وارد ہوئے ہیں۔ اگر کسی کی آواز اچھی نہیں ہے تو جتنا ہوسکے خوش آوازی پیدا کرنے کی کوشش کرے بھونڈے اور کریہ آواز سے قرآن کریم کی تلاوت مناسب نہیں۔ حضرت سعدی نے کیا خوب فرمایا۔ ؎

گر تو قرآں بدیں نمط خوانی ببری رونق مسلمانی

تحسین صوت کا طریقہ | تحسین صوت کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے مجالس میں شریک ہوا کرے جس میں قراء خوش الحان اپنی قراءت سناتے ہیں یا کسی خوش الحان قاری سے ملاقات ہو تو ان سے سنتا رہے۔ چند روز کے فیضان صحبت سے یہ دولت انشاء اللہ تعالیٰ حاصل ہو جائے گی۔ سیکھنے سے ہر کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ بھی کوشش کرے کہ تلاوت کلام پاک عربی لہجہ کے ساتھ ہوا کرے۔ حدیث شریف ہے:۔

اقرأوا القرآن بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اهل الکتابین واهل الفسق فانه سیجیئ اقوام یرجعون بالقرآن ترجیع الغناء والرهبانیة لایجاوز حناجرهم مفتونة قلوبهم وقلوب من یعجبهم شانهم۔ (طبرانی بیہقی) قرآن کریم کو عرب کے لہجوں اور ان کی آوازوں سے پڑھا کرو اور یہود و نصاریٰ اور اہل فسق کے لہجوں سے بچتے رہو کیونکہ ایسی اقوام بھی آئینگی

جو گانے والوں اور جوگیوں کی طرح، قرآن کریم کو اتار چڑھاؤ کے ساتھ پڑھا کرینگی۔ قرآن ان کے حلق کے نیچے بھی اترنے نہ پائے گا۔ ان کے دل، اور ان کے دلدادہ لوگوں کے دل، ایسی ہی قرارت پر فریفتہ رہیں گے "۔ رنگینوں اور اتار چڑھاؤ کے ساتھ پڑھنے میں زیر کی جگہ الف، زیر کی جگہ یاء اور پیش کی جگہ واؤ پیدا ہو جاتا ہے اور زیادہ کشش سے مد کی صورت آ جاتی ہے جس سے معنی بدلتے بلکہ بگڑ جاتے ہیں اور نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے اور بعض صورتوں میں کفر لازم آتا ہے نعوذ باللہ منہ۔ اس سے بچنا چاہئے۔ عربی لہجہ اور عرب کے طریق پر پڑھنا چنداں مشکل نہیں۔ فی زمانہ ریڈیو کی ایجاد سے گھر بیٹھے اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ممالک عربیہ اور تمام اسلامی ممالک سے روزانہ صبح و شام قرارت قرآن کریم نشر ہوتی ہے بلکہ یوروپین ممالک بھی مسلمانوں کی خاطر اس میں حصہ لے رہے ہیں اوقات معین ہیں۔ ان معینہ اوقات میں پانچ دس منٹ قرآن کریم سنتے رہیں تو ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہوگا۔ مقامی طور پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی خوش الحان قاری سے سنا کریں۔ یا مجالس قرارت منعقد کر کے مستفید ہوں۔

۱۴۔ **تلاوت کے اوقات** ۔ قراءت قرآن کریم کا کوئی وقت معین نہیں ہے۔ جب چاہیں یہ سعادت حاصل کر سکتے ہیں لیکن افضل تر یہ ہے کہ تلاوت نماز میں ہو یہ شرف و امتیاز حفاظ کے لئے ہے۔ یہ نہ ہو سکے تو رات میں، رات کے بھی نصف اخیر میں۔ نیز

نیز مغرب وعشا کے درمیان بھی مستحب ہے۔ تلاوت دن میں ہو تو فجر کے بعد یہ اوقات فضیلت کے ہیں۔ اس کے علاوہ جب چاہیں پڑھیں۔ کوئی تحدید نہیں۔ دنوں کے اعتبار سے عرفہ کا دن، جمعہ، دوشنبہ، پنجشنبہ اور عشرات (یعنی دہے) کے لحاظ سے رمضان شریف کا آخری دہا، اور ذیحجہ کا پہلا دہا۔ اور مہینوں کے اعتبار سے شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن۔ یعنی رمضان شریف کا مہینہ جس میں قرآن کریم اتارا گیا۔" حضرت جامع القرآن سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت شریف تھی کہ آپ شب جمعہ سے تلاوت آغاز فرماتے اور شب پنجشنبہ میں ختم فرماتے۔ (ابن ابی داؤد) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: اذا وافق ختم القرآن اول اللیل صلت علیه الملائكة حتى يصبح وان وافق ختمه اول النهار صلت علیه الملائكة حتى يمسي۔ (دارمی) قرآن کریم کے ختم کا اتفاق اول شب میں ہو تو فرشتے صبح ہونے تک اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں، اور اگر دن کے اول وقت میں اس کا اتفاق ہو تو شام ہونے تک فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔" لہذا ان اوقات کو بھی غنیمت جانیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے مروی ہے: یستحب الختم في الشتاء اول الليل وفي الصيف اول النهار۔ موسم سرما میں قرآن کریم کا ختم اول شب میں، اور موسم گرما میں دن کے اول وقت مستحب ہے۔" اس کا بھی خیال رکھنا

مناسب ہے۔ حضرت انس رضؓ کی عادت تھی کہ آپ جب قرآن کریم کا ختم فرماتے تو اپنے اہل و عیال کو جمع فرماتے اور دعا کرتے۔ (طبرانی) حضرت حکم بن عتیبہؒ فرماتے ہیں:۔ ارسل الیّ مجاھد وعندہ ابن ابی امامۃ وقالا انّا ارسلنا الیک لانّا اردنا ان نختم القرآن والدعاء یستجاب عند ختم القرآن (ابن ابی داؤد) امام تفسیر حضرت مجاہدؒ نے آدمی بھیجکر مجھے بلوایا اس وقت ان کے پاس ابن ابی امامہ بھی موجود تھے۔ جب میں آیا تو ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو اس لئے بلوایا کہ ہم قرآن کریم ختم کر رہے ہیں (اس مبارک موقع پر آپ بھی شریک رہیں کیونکہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔" حضرت مجاہدؒ سے یہ بھی مروی ہے:۔ کانوا یجتمعون عند ختم القرآن ویقول عندہ تنزل الرحمۃ۔ (ابن ابی داؤد) صحابۂ کرامؓ قرآن کریم کے ختم کے موقع پر جمع ہوا کرتے تھے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اس موقع پر رحمت نازل ہوتی ہے۔" سلف صالحین ختم کے دن روزہ بھی رکھتے تھے۔ یہ بھی سنت ہے کہ قرآن کریم جب ختم ہو تو دوسرے ختم کا آغاز کر دے۔ حدیث شریف ہے:۔ احب الاعمال الی اللہ الحالّ المرتحل۔ (ترمذی شریف وغیرہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ کو وہ عمل بہت ہی پسندیدہ ہے کہ ایک کو ختم کر کے ساتھ ہی دوسرا شروع کر دے۔" فارغ ہو کر نہ بیٹھ جائے۔ اس کا طریقہ اس حدیث شریف میں بتلایا گیا ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں:۔ انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قرأ

قل اعوذ برب الناس افتتح من الحمد ثم قرأ من البقرۃ الی واولٰئک ھم المفلحون ثم دعا بدعاء الختمۃ ثم قام۔ (دارمی) حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کی عادت شریفہ تھی کہ تلاوت فرماتے ہوئے جب آپ قل اعوذ برب الناس کی تلاوت بھی فرما لیتے تو دوسرا سلسلہ سورۂ فاتحہ سے آغاز فرماتے اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات کریمہ واولٰئک ھم المفلحون تک پڑھتے پھر ختم قرآن کی دعا پڑھ کر برخاست فرماتے۔"

۱۵۔ دعا بوقت ختم تلاوت۔ جب قرآن کریم کی تلاوت ختم کرے تو خاتمہ پر دعا کرے۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا ارشاد مبارک ہے:۔ من ختم القرآن فلہ دعوۃ مستجابۃ (طبرانی) جس نے قرآن کریم ختم کیا اس کی ایک دعا قبول کی جاتی ہے۔" حضرت مجاہد کا قول بھی اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی اور رحمت نازل ہوتی ہے۔ یہ تو پورا قرآن ختم کرنے کی صورت میں ہے۔ باقی تلاوت قرآن کریم جب کبھی کی جاتی ہے سنت یہ ہے کہ دعا کریں اور فاتحہ مروجہ پڑھا کریں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ختمی مآب مہبط وحی وکتاب علیہ صلوات اللہ وسلامہ الی یوم الحساب کا ارشاد گرامی ہے:۔ من قرأ القرآن وحمد الرب وصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستغفر ربہ فقد

طلب الخاير مکانہ ۔ (بیہقی) جس نے قرآن کریم کی تلاوت کی اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا اور اپنے پروردگار سے دعائے مغفرت کی بے شک اس نے بر موقع ہر قسم کی بھلائی مانگ لی۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ فاتحہ و اخلاص سے بہتر اور کونسی حمد و ثنا ہو سکتی ہے پھر اس کے ساتھ درود شریف بھی پڑھے اور استغفار کرے یعنی دعائے مغفرت کرے تو اس کی قبولیت میں کیا کلام رہا۔ فاتحہ مروجہ میں بھی یہی ہوتا ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب ۔

اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد کما صلیت علی سیدنا ابراھیم وعلی آل سیدنا ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد کما بارکت علی سیدنا ابراھیم وعلی آل سیدنا ابراھیم انک حمید مجید السلام علیک ایھا النبی الکریم ورحمۃ اللہ تعالی وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین ۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ

وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا محمداً عبده

ورسوله رضينا بالله رباً و بالاسلام ديناً و بسيدنا

محمد صلى الله عليه وسلم نبياً و رسولاً و بالقرآن

اماماً و بالكعبة قبلةً و بالمؤمنين كلهم اخواناً

اللهم لك الحمد على ذلك خلقتني وعلى ذلك

احييتني وعلى ذلك احيني وعلى ذلك امتني وعلى

ذلك ابعثني وانت راض عني بكرمك يا اكرم الاكرمين

وبرحمتك يا ارحم الراحمين ۔ آمين ثم آمين ۔

رب یسّر ولا تعسّر وتمّم بالخیر یا فتّاح وبک نستعین

سورۂ فاتحہ

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس سات آیتیں ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے اسمائے شریفہ

سورۂ فاتحہ کے اسمائے شریفہ بکثرت ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ احادیث شریفہ میں جتنے اسماء سورۂ فاتحہ کے وارد ہوئے ہیں اور کسی سورۃ شریفہ کے وارد نہیں ہوئے۔ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:۔ وقد وقفت لھا علی نیف وعشرین اسما وذلک یدلّ علی شرفھا لانّ کثرۃ الاسماء دالّۃ علی شرف المسمی۔ ہیں جہاں تک واقف ہو سکا اس کے نام بیس سے زاید ہیں اور یہ اس کے شرف اور فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ ناموں کی کثرت ان کے مسمیٰ کے شرف اور فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

چنانچہ وہ اسمائے شریفہ حسب ذیل ہیں:۔

فاتحۃ الکتاب، فاتحۃ القرآن، امّ الکتاب، ام القرآن، قرآن عظیم، سبع مثانی، وافیہ، کنز، کافیہ، اساس، نور، سورۃ الحمد، سورۃ الشکر، سورۃ الحمد الاولیٰ، سورۃ الحمد القصریٰ، راقیہ، شفاء، شافیہ، صلاۃ، سورۃ الصلاۃ، سورۃ الدعاء، سورۃ السوال،

سورۃ تعلیم المسئلہ، سورۃ التفویض، سورۃ المناجات ___ بعض اہل علم نے سورۂ فاتحہ کے (۵۵) اسمائے شریفہ بتلائے ہیں۔ واللہ اعلم۔

سورۂ فاتحہ مکیہ ہے

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ لیکن امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ اور اکثر صحابۂ کرامؓ سے مروی ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ بعض اصحاب کا قول ہے کہ سورۂ فاتحہ دو دفعہ نازل ہوا ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری دفعہ مدینہ منورہ میں۔ اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی چند آیات کریمہ مکہ مکرمہ میں اور چند مدینۂ منورہ میں نازل ہوئیں۔ **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہ آخری دو اقوال، روایات بالا میں تطبیق دینے اور دونوں کو جمع کرنے کے سلسلہ میں ہیں لیکن اکثر روایات اس سورت شریفہ کے مکی ہونے کے باب میں ہیں۔ اسی بنا پر مصاحف شریفہ اور کتب تفاسیر میں عام طور پر سورۂ فاتحہ کو مکیہ لکھا ہے لہٰذا ہم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے! واللہ اعلم۔

___ سورۂ فاتحہ کے فضائل ومناقب ___

سورۂ فاتحہ تمام کتب الٰہیہ کا جامع ہے

سورۂ فاتحہ کے فضائل بے شمار ہیں۔ اور اس بارے میں احادیث شریفہ بکثرت وارد ہوئی ہیں ازانجملہ ہم یہاں چند روایات نقل کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ الحمد للہ رب العالمین امّ القرآن وامّ الکتاب والسبع المثانی۔ (بخاری، دارمی، ابوداؤد، ترمذی، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) سورۂ الحمد، اصل قرآن، اصل کتاب، اور سات آیات والی سورت ہے جو (ہر دو رکعت میں) دو دفعہ پڑھی جاتی ہے"۔ یعنی کوئی رکعت اس سے خالی نہیں رہتی۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ سورۂ فاتحہ بطور متن کے ہے اور پورا قرآن کریم گویا اس کی شرح ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ من قرأ الفاتحۃ فکأنما قرأ التوراۃ والانجیل والزبور والفرقان۔ (ابوعبید) جس نے سورۂ فاتحہ پڑھا گویا اس نے توریت، انجیل، زبور اور فرقان حمید کو پڑھ لیا"۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے یہ بھی فرمایا:۔ انزل اللہ مائۃ واربع کتب اودع علومھا اربعۃ منھا التوراۃ والانجیل والزبور والفرقان ثم اودع علوم التوراۃ والانجیل والزبور الفرقان، ثم اودع علوم القرآن المفصل، ثم اودع المفصل فاتحۃ الکتاب فمن علم تفسیرھا کان کمن علم تفسیر جمیع الکتب المنزلۃ۔ (بیہقی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں۔ پھر ان کے تمام مضامین چار کتابوں، توریت، انجیل، زبور اور فرقان حمید میں ودیعت فرمائے۔ پھر توریت، انجیل، زبور کے مضامین و معانی فرقان حمید میں ودیعت رکھے۔ پھر اس کے تمام علوم مفصلات میں

(یعنی طوال مفصل، اوساط مفصل اور قصار مفصل ہیں) ودیعت کئے۔ پھر مفصلات کو سورۂ فاتحہ میں سمو دیا۔ اس کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہوا کہ جس نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر دریافت کرلی گویا اس نے تمام آسمانی کتابوں کی تفسیر معلوم کرلی۔" بعض اصحاب نے یہاں تک لکھا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے تمام مضامین تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم میں سمو دئے گئے ہیں اور پوری تسمیہ شریفہ کے جملہ مضامین بسم اللہ کی با، بلکہ اس کے نقطہ میں مندرج ومندمج ہیں۔ اس میں بظاہر مبالغہ نظر آتا ہے لیکن غور وفکر سے کام لیا جائے تو اس میں مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

عرض فقیر اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ درخت نام ہے جڑوں، تنہ، شاخوں، پتوں، پھول، پھل کا جس میں پوست، رنگ، بو، ذائقہ، افعال وخواص، سایہ، خنکی وغیرہ سامان مسرت سب کچھ ہے اور وہ پیدا ہوتا ہے تخم سے۔ اور تخم کے بارے میں کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ مذکورۃ الصدر تمام چیزیں اس میں مندرج ومندمج ہیں۔ اسی طرح انسان جس میں گوشت، پوست، ہڈی، رگ پٹھے، دل، دماغ، جگر، آنتیں، جلد، بال، خون، بلغم، سودا، صفرا، حرارت، برودت، رطوبت، یبوست، حواس خمسہ ظاہری اور حواس باطنی اور سب سے بڑھ کر روح، اور کیا کیا صفات اس میں ودیعت فرمائے گئے ہیں جن کی بدولت کائنات سفلی وعلوی کا ادراک کرنا اور خداداد عقل وفہم کے ذریعہ

علم و حکمت کے دریا بہا تا ہے ۔ اگر غور کیا جائے تو انسان کا نقطۂ آغاز قطرۂ آب ہے ۔ حضرت باب مدینۃ العلم سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف یہ اشعار منسوب ہیں : ؎

دواءُك فيك وما تبصر ودا ؤك منك وما تشعر

وتزعم انك جرم صغير وفيك انطوى العالم الاكبر

(اے انسان !) تیری دوا اور علاج تجھی میں ہے اور تیری بیماری بھی تجھی سے پیدا ہوئی ہے ۔ تو خیال کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا کیڑا ہے حالانکہ تجھ میں ایک بڑا عالم سما گیا ہے ۔"

فقیر عرض کرتا ہے کہ انسان پر ہی کیا موقوف و منحصر ہے ۔ کائنات کے ایک ایک ذرے کا یہی حال ہے ۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں : ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفترے ست معرفت کردگار

سورۂ فاتحہ کی عظمت و مرتبت

حضرت ابو سعید بن المعلّیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : ۔ كنت اصلى فدعانى النبى صلى الله عليه وسلم فلم اجبه فقال الم يقل الله استجيبوا لله وللرسول اذا دعاكم ثم قال لاعلمنّك اعظم سورة فى القرآن قبل ان تخرج من المسجد فاخذ بيدى فلما اردنا ان نخرج قلت يارسول الله انّك قلت لاعلّمنك اعظم سورة فى القرآن قال الحمد لله رب العالمين هى السبع المثانى والقرآن العظيم الذى اوتيته ۔

(امام احمدؒ بخاریؒ دارمیؒ ابوداؤدؒ نسائیؒ ابن جریرؒ ابن حبانؒ ابن مردویہؒ بیہقیؒ) میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اتنے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے آواز دی (چونکہ میں نماز میں تھا اس لئے) آپ کی دعوت پر لبیک نہ کہہ سکا۔ (فوراً نماز ختم کر کے حاضرِ خدمت ہوا تو) ارشاد فرمایا کیوں اللہ سبحانہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہے کہ جب تم کو خدا اور رسول طلب فرمائیں تو تم ان کی دعوت کو قبول کیا کرو۔ (میں نے عرض کیا بے شک یہی حکم ہے) پھر ارشاد ہوا میں تم کو قرآن کریم کی ایک سورت بتاؤں گا جو بڑی ہی باعظمت ہے پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا جب آپ مسجد سے باہر نکلنے لگے میں نے اس سورت کی یاد دہانی کی۔ فرمایا الحمد للہ رب العالمین (یعنی وہ سورت سورۂ فاتحہ ہے) یہی سبع مثانی اور باعظمت قرآن ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔"

سورۂ فاتحہ جیسا کوئی سورہ کتب الٰہیہ میں نہیں

حضرت اُبَی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ما انزل اللہ فی التوراۃ ولا فی الانجیل ولا فی الزبور ولا فی الفرقان مثل امّ القرآن وھی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیت وھی مقسومۃ بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل۔ (دارمیؒ ترمذیؒ بروایت حسن، نسائیؒ عبداللہ بن احمدؒ ابن الضریسؒ ابن جریرؒ ابن خزیمہؒ حاکم بروایت صحیحہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کوئی سورت نازل نہیں فرمائی نہ توریت شریف میں نہ انجیل مقدس میں، نہ زبور پاک میں اور نہ خود قرآن حمید میں،

ایسی جوامع القرآن (سورۂ فاتحہ) کے مثل ہو۔ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا اور (حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) یہ سورت شریفہ (فاتحہ) میرے اور میرے بندے کے درمیان تقسیم شدہ ہے۔ اور میرے بندے کے لئے وہ سب کچھ ہے جس کو وہ مانگے" یعنی سورۂ فاتحہ پڑھنے والے کو میں اس کی منہ مانگی مراد دوں گا۔

سورۂ فاتحہ نور ہے اور اس کا ایک ایک حرف مقبول ہے

حضرت حبرالامہ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ۔۔۔۔

بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس عندہ جابریل اذ سمع نقیضا من السماء من فوق فرفع جابریل بصرہ الی السماء فقال یا محمدؐ ھذا ملک قد نزل الی الارض قطّ ولم ینزل قال فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فسلّم علیہ فقال ابشر بنورین قد اوتیتھما ولم یؤتھما نبی قبلک فاتحۃ الکتاب وخواتیم سورۃ البقرۃ لن تقرأ حرفاً منھما الا اوتیتہ۔

(مسلم، نسائی، ابن حبان، طبرانی، حاکم) ایک وقت حضور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام بھی تھے۔ ایسے میں ایک آواز اوپر سے کوئی چیز ٹوٹ کر گرنے کی سی سنائی دی فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی نظر اٹھا کر دیکھا اور عرض کیا اے سراپا حمد کئے ہوئے نبی! یہ ایک فرشتے کے اترآنے کی آواز ہے جو کبھی زمین پر اترا نہ تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ فرشتہ حضور نبی الکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا۔ اور کہنے لگا آپ کو بشارت ہو کہ آپ کو دو نور ایسے دئے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دئے گئے۔ ایک فاتحۃ الکتاب اور دوسرے سورۂ بقرہ کی آخری آیات (آمن الرسول سے ختم سورۃ تک) ان دونوں کا ایک ایک حرف پڑھتے جائیے اور اس کا صلہ لیتے جائیے۔"

سورۂ فاتحہ سے بچھو کاٹے کا علاج

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں:۔ بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سریۃ وثلاثین راکبا فنزلنا بقوم من العرب فسألناھم ان یضیفونا فابوا فلدغ سیدھم فاتونا فقالوا فیکم احد یرقی من العقرب فقلت نعم انا ولکن لا افعل حتی تعطونا شیئا قالوا فانا نعطیکم ثلاثین شاۃ فقال فقرأت علیھا الحمد سبع مرات فبرأ فلما قبضنا الغنم عرض فی انفسنا منھا فکففنا حتی اتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرنا ذلک لہ فقال اما علمت انھا رقیۃ اقتسموھا واضربوا الی معکم بسھم۔ (ابو عبید، امام احمدؒ، بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیس سواروں کی ہماری ایک جمعیت کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ ہم عرب کی ایک قوم میں اترے اور ان سے ہم نے فرمائش کی کہ ہم کو اپنا مہمان بنالیں۔ مگر انھوں نے انکار کیا۔ اتنے میں ان کے

سردار کو بچھو کاٹا۔ اب وہ ہم سے دریافت کرنے لگے کہ تم میں کوئی بچھو کا عمل جانتا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں میں جانتا ہوں لیکن میں نہ پڑھوں گا تاآنکہ تم لوگ اس کا صلہ نہ دیں۔ انھوں نے کہا ہم تیس بکریاں دیں گے۔ ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس پر سات دفعہ سورۃ الحمد پڑھا (خدا کے فضل سے) وہ بھلا چنگا ہو گیا۔ جب وہ بکریاں ہمارے قبضہ میں آگئیں تو ان کی نسبت ہم کو تردد لاحق ہوا چنانچہ ہم نے ان سے ہاتھ روک لیا۔ تاآنکہ ہم حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ماجرا بیان کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کیا تمھیں معلوم نہیں کہ سورۃ فاتحہ عمل ہے؟ لہٰذا ان بکریوں کو آپس میں بانٹ لو اور اپنے ساتھ (اس میں) ہمارا بھی ایک حصہ لگا دو۔"

سورۃ فاتحہ تریاق ہے

ابوسعید خدریؓ سے ایک روایت یہ بھی آئی ہے:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فاتحۃ الکتاب شفاء من السم۔ (سعید بن منصورؒ بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ فاتحہ سے زہر اتر جاتا ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ تریاق ہے اس سے ہر قسم کا زہر باذن اللہ دفع ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت آئی ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے سے بچھو کا اثر دفع ہو گیا تھا۔ اس میں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ ان احق ما اخذتم علیہ اجرا

کتاب اللہ ۔ (امام احمدؒ، بخاری، بیہقی) کسی عمل کی اجرت لینے کے تم لوگ زیادہ حق رکھتے ہو جو کتاب اللہ سے کیا جائے۔" ممکن ہے کہ یہ واقعہ وہی ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔"

سورۂ فاتحہ سے مجنون کا علاج

حضرت خارجہ بن الصلت تمیمی اپنے چچا کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:۔ انه اتی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ثم اقبل راجعا من عنده فمر علی قوم عندهم رجل مجنون موثق بالحدید فقال اهله عندك ما تداوی به هذا فان صاحبکم قد جاء بخیر قال فقرأت علیه فاتحة الکتاب ثلاثة ایام فی کل یوم مرتین غدوة و عشیة اجمع بزاقی ثم اتفل فبرأ فاعطونی مائة شاة فاتیت للنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فذکرت ذلك له فقال کل فمن اکل برقیة باطل فقد اکلت برقیة حق ۔ (امام احمدؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن السنیؒ، حاکم بروایت صحیح، بیہقی) خارجہ بن الصلت کے چچا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے پھر آپ کے پاس سے لوٹ کر ایک قوم کے پاس سے گزرے تو وہاں ایک مجنون کو دیکھا کہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ ان لوگوں نے ان سے کہا کیا آپ کے پاس اس کا کوئی علاج ہے؟ کیونکہ آپ کے پیغمبر صاحب بہت ساری بھلائیاں اپنے ساتھ لائے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ

میں اس شخص پر تین دن تک روزانہ دو دفعہ صبح و شام سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرتا رہا اس طرح کہ آب دہن کے کچھ ریزے خارج ہو کر اس پر گرتے تھے۔ پس وہ بھلا چنگا ہو گیا۔ ان لوگوں نے (خوش ہو کر) مجھے ایک سو بکریاں دے دیں۔ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور سارا قصہ عرض کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا تم ان بکریوں سے استفادہ کرو۔ اور لوگ تو جھوٹا عمل کر کے رزق کماتے ہیں اور تم نے سچا عمل کر کے اپنی روزی کمائی ہے"۔ قرآن کریم کو روزی کا ذریعہ بنانا شرعاً منع ہے مگر دوا یا علاج کی صورت ہو تو علاج کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے یہ معاوضہ علاج کا ہے قرآن کریم کا نہیں۔ قرآن کریم کا صلہ بجز اللہ سبحانہ کے کون دے سکتا ہے۔

سورۂ فاتحہ سے مرگی کا علاج

حضرت ابو سلیمانؓ فرماتے ہیں:۔ مرّ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض غزوھم علی رجل قد صرع فقرأ بعضھم فی اذنہ بامّ القرآن فبرأ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھی امّ القرآن وھی شفآء من کلّ دآء۔ (ثعلبی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اصحاب کا گزر کسی غزوہ میں ایک شخص پر ہوا جو صرع (مرگی) کے مرض میں مبتلا تھا۔ ان میں سے کسی صحابی نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کے کان میں دم کیا۔ وہ اچھا ہو گیا۔ (انھوں نے یہ واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمع ہمایوں تک پہنچایا) آپ کا ارشاد ہوا کہ سورۂ فاتحہ ام القرآن ہے اور یہ ہر مرض کی دوا ہے"۔ حضرت

عبدالملک بن عمیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء ۔ (دارمی، بیہقی بسند رجالہ ثقات) کتاب اللہ کا ابتدائی سورۃ (سورہ فاتحہ) ہر بیماری (کے لئے) شفا بخش ہے ۔"

فاتحہ مروجہ سے ہر آفت کا دفعیہ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اذا وضعت جنبک علی الفراش وقرأت فاتحۃ الکتاب وقل ھو اللہ احد امنت من کل شیئ الا الموت ۔ (بزار بسند ضعیف) جب تم اپنا پہلو بستر پر رکھو اور سورۂ فاتحہ و اخلاص پڑھ لو تو ہر چیز سے امان پاؤ گے موت کے سوا۔" انسان سوتا ہے تو اس کو سانپ بچھو، دشمن، درندہ، ہر چیز کا ڈر لگا رہتا ہے۔ نیز بیماری یا اور کسی آفت کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ فاتحہ مروجہ یعنی سورہ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھ لینے سے ہر قسم کا خوف اور اندیشہ دفع ہوتا اور امن و عافیت کے ساتھ رات گزارنے کا موقع مل جاتا ہے اور کیا چاہیے؟ رہی موت، اس سے کوئی چھوٹ نہیں سکتا۔ وہ اپنے وقت مقرر پر آکر رہے گی ۔ اس سے ڈرنے کی کیا وجہ ہے؟ پھر جب انسان سورۂ فاتحہ و اخلاص پڑھ کر سو رہا ہے اور اسی حالت میں اس کا وقت اخیر آپہنچا تو خاتمہ بخیر ہوا خصوصاً ایسی حالت میں کہ دیگر احادیث صحیحہ سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔

سورۂ فاتحہ کا ثواب تہائی قرآن کے برابر

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

فاتحۃ الکتاب ثلث القرآن۔ (عبد بن حمید، فریابی) فاتحہ کتاب ایک تہائی قرآن ہے۔" حضرت ابن عباسؓ سے دوسری حدیث شریف مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ من قرأ ام القرآن وقل ھو اللہ احد فکانما قرأ ثلث القرآن۔ (طبرانی) جس نے ام القرآن (فاتحہ مروجہ) اور قل ھو اللہ احد پڑھ لیا گویا اس نے ایک تہائی قرآن پڑھا۔" اور ایک روایت میں ہے:۔ فاتحۃ الکتاب تعدل ثلثی القرآن (عبد بن حمید) فاتحہ کتاب، دو تہائی قرآن کے برابر ہے۔" آخری دو حدیثوں کی سند بھی ضعیف بتائی گئی ہے لیکن سند کے ضعف سے حدیث شریف کا متن بھی ضعیف ہونا لازم نہیں نیز ان احادیث شریفہ میں باہم تضاد بھی نہیں۔ سورۂ اخلاص کے باب میں صحیح روایات موجود ہیں کہ وہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اور فاتحہ کتاب بھی ثلث قرآن ہونا اوپر مذکور ہوا اس اعتبار سے صرف سورۂ فاتحہ کا ثلث قرآن ہونا اور فاتحہ کے ساتھ سورۂ اخلاص بھی پڑھا جائے تو دونوں سورتیں مل کر دو ثلث قرآن کے برابر ہونا بھی ثابت ہوا۔ فاتحہ مروجہ بھی یہی ہے۔

سورۂ فاتحہ سے نظر بد کا دفعیہ

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ فاتحۃ الکتاب وآیۃ الکرسی لا یقرأھما عبد فی دار فتصیبھم فی ذلک الیوم عین انس وجن۔ (دیلمی) فاتحہ اور آیۃ الکرسی کوئی بندہ کسی گھر میں پڑھ لیتا ہے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس دن اس

گھر والوں میں سے کسی کو انسان یا جن کی نظر بد لگ جائے" اوپر گزر چکا ہے کہ فاتحہ ہر مرض کی دوا ہے تو نظر بد چونکہ بھی ایک مرض ہے اس کا دفعیہ ہو جائے گا۔ بلکہ نظر لگنے ہی نہ پائے گی۔

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ـــ

فاتحۃ الکتاب تجزئ ما لا یجزئ شیئ من القرآن ولو ان فاتحۃ الکتاب جعلت فی کفۃ المیزان وجعل القرآن فی الکفۃ الاخری لفضلت فاتحۃ الکتاب علی القرآن سبع مرات (ابو نعیم دیلمی) فاتحۃ الکتاب اتنی کفایت کرتا ہے کہ قرآن کریم کا کوئی اور حصہ بھی اتنی کفایت نہیں کر سکتا اور اگر فرض کرو کہ فاتحۃ الکتاب کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور باقی قرآن کو اس کے دوسرے پلڑے میں تو فاتحۃ الکتاب کا وزن ہی باقی قرآن کریم سے ہفت گونہ بڑھ جائے گا"

سورۂ فاتحہ عرش اعظم کے خزانۂ زیریں سے اترا ہے

امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے سورۂ فاتحہ کی فضیلت دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ حدثنا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھا نزلت من کنز تحت العرش۔ (اسحاق بن راہویہ) اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے یہ حدیث شریف بیان فرمائی کہ سورۂ فاتحہ خاص عرش اعظم کے تحتانی خزانے سے اتارا گیا ہے" اس کی تائید دوسری احادیث شریفہ سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ـــ

ان اللہ اعطانی فیما من بہ علیّ انی اعطیتک فاتحۃ الکتاب وھی من کنوز عرشی قسمتھا بینی و بینک نصفین۔ (ابن الضریس بیہقی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے (جن نعمتوں سے مجھے سرفراز فرمایا اور مجھ پر جس کی جو منت رکھی ہے از انجملہ حق تعالیٰ کا مجھ سے یہ ارشاد بھی ہے کہ ہم نے آپ کو فاتحہ کتاب (سورہ فاتحہ) جو عنایت کیا ہے وہ ہمارے عرش کے خزانوں میں سے دیا ہے پھر اس کو اپنے اور آپ کے درمیان آدھا آدھا بانٹ دیا۔" اس کی صراحت آگے آرہی ہے۔ حضرت معقل بن یسارؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔

اعطیت سورۃ البقرۃ من الذکر الاوّل واعطیت فاتحۃ الکتاب وخواتیم سورۃ البقرۃ من تحت العرش والمفصل نافلۃ۔ (حاکم بروایت مجمع ابن مردویہ ابوذر ہروی، بیہقی) مجھے سورۂ بقرہ اگلی کتابوں سے دیا گیا اور فاتحہ کتاب اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں (خاص) عرش اعظم کے نیچے سے دی گئیں۔ اور مفصل (سورہ حجرات سے آخر قرآن کریم تک کی سورتیں) مزید عنایت ہوئیں۔" اور حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ اربع انزلن من کنز تحت العرش لم ینزل منہ شیئ غیرھن امّ الکتاب وآیۃ الکرسی وخواتیم سورۃ البقرۃ والکوثر۔ (ابو الشیخ طبرانی، ابن مردویہ، دیلمی، ضیاء مقدسی) چار چیزیں (خاص) عرش اعظم کے خزانہ زیریں سے اتاری گئی ہیں۔ سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۂ بقرہ کی آخری تین آیتیں اور سورۂ کوثر۔" ان

روایات سے سورہ فاتحہ کی منزلت جو عند اللہ ہے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت مرحومہ پر جو عنایت خاص ہے اس کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

سورۂ فاتحہ شیطان کیلئے ماتم کا سبب

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں: رنّ ابلیس اربعا حاین نزلت فاتحۃ الکتاب وحاین لعن وحاین ھبط الی الارض وحاین بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (وکیع، ابن الانباری، ابوالشیخ ابونعیم)۔ ابلیس چار دفعہ دھاڑیں مار مار کر روتا رہا۔ (ایک دفعہ اس وقت) جب سورہ فاتحہ نازل ہوا (دوسرا اس وقت) جب وہ (حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے) ملعون قرار دیا گیا۔ (تیسرا اس وقت) جب وہ (جنت سے) زمین کی طرف اتار دیا گیا۔ (چوتھا اس وقت) جب حضور محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔" حضرت مجاہدؒ نے یہ بھی فرمایا: لما نزلت الحمد للہ رب العالمین شق علی ابلیس مشقۃ شدیدۃ ورنّ رنۃ شدیدۃ ونخر نخرۃ شدیدۃ قال مجاھد فمن رنّ او نخر فھو ملعون۔ (ابن الضریس) جب سورۂ الحمد نازل ہوا تو ابلیس بڑی سخت مشقت میں پڑ گیا اور دھاڑیں مار کر خوب رویا اور ناک پھلا پھلا کر خوب پھسکارے بھرتا رہا۔ حضرت مجاہد نے یہ بھی کہا کہ جو سر پیٹتا اور ناک پھلاتا ہے وہ ملعون یعنی

اللہ کی رحمت سے دور ہے ۔" حضرت عبدالعزیز بن ربیعؒ فرماتے ہیں :۔ لما نزلت فاتحۃ الکتاب رنّ ابلیس کرنّتہ یوم لعن ۔ (ابن الضریس) جب کتاب اللہ کا ابتدائی سورہ نازل ہوا تو ابلیس اسی طرح سر پیٹتا رہا جیسا کہ اس کے ملعون قرار دیے جانے کے دن سر پیٹ رہا تھا ۔" اس سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ شیطان لعین کے حق میں ماتم کا سبب ہے ۔

فاتحہ کی وجہ سے منہ مانگی مُراد ملتی ہے

حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں :۔ امّ القرآن قراءۃ ومسئلۃ ودعاء ۔ (ابوعبید) سورہ فاتحہ قراءت بھی ہے اور سوال و دعا بھی ۔" حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں :۔ اذا اردت حاجۃ فاقرأ بفاتحۃ الکتاب حتی تختمھا تقضی ان شآء اللہ ۔ (ابوالشیخ) جب تم چاہو کہ تمہاری حاجت روا ہو تو فاتحہ کتاب پڑھ لیا کرو تا آنکہ اس کو ختم کر لو ۔ خدا چاہے تو حاجت پوری ہو جائے گی ۔" حضرت رجا غنویؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین نے فرمایا :۔ استشفوا بما حمد اللہ بہ نفسہ قبل ان یحمدہ خلقہ وبما مدح اللہ بہ نفسہ قلنا وما ذاک یا نبی اللہ قال الحمد للہ وقل ھو اللہ احد فمن لم یشفہ القرآن فلا شفاہ اللہ ۔ (ابن قانع) شفا طلب کرو اس چیز کے ذریعہ جس سے کہ اللہ سبحانہ نے اپنی ذات کی حمد فرمائی ہے قبل اس کے کہ کوئی مخلوق اس کی حمد کرے اور اس چیز کے ذریعہ جس سے اللہ سبحانہ نے اپنی مدح فرمائی ہے ۔ ہم نے عرض کیا ۔ اے اللہ کے

پیارے نبی! وہ حمد او رمدح کونسی ہے ؟ ارشاد فرمایا کہ وہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص ہے۔ پھر جس کو قرآن شفا نہ بخشے اللہ اس کو شفا نہ بخشے۔" مطلب یہ کہ فاتحہ مروجہ پڑھتے وقت شفا حاصل ہونے کا دل سے یقین رکھنا چاہئے جس کو اس پر یقین کامل نہیں اس کو شفا میسر نہیں۔ اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ سورۂ فاتحہ کا نام شفا اور شافیہ بھی ہے اور یہ بھی گزرچکا کہ فاتحہ پڑھی گئی۔ بچھو کاٹے پر، مجنون پر، مرگی میں مبتلا پر اور زہر کے دفعیہ کے لئے نظر بد دفع ہونے کے لئے اور موت کے سوا ہر بیماری کے لئے اس میں شفا ہے۔ اگر اس سے کسی کو شفا حاصل نہ ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے لئے شفا مقدر نہیں یا اس پر یقین نہیں یا یہ کہ موت آچکی ہے۔ اللہم احفظنا۔ آمین۔

سورۂ فاتحہ ملائکہ کی قراءت نماز

حضرت ابو المنہال سیار بن سلامہ راوی ہیں: — ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سقط علیہ رجل من المہاجرین وعمر یتہجد من اللیل یقرأ بفاتحۃ الکتاب لا یزید علیہا ویکبر ویسبح ثم یرکع ویسجد فلما اصبح الرجل ذکر ذلک لعمر فقال عمر لأمك الويل الیست تلك صلاۃ الملائکۃ۔ (ابو عبید) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مہاجرین میں سے ایک صاحب مہمان ہوئے۔ رات کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تہجد پڑھنے لگے اس میں آپ صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے اس پر کچھ اضافہ

نہ کرتے (البتہ اس سے بیشتر) تکبیر تحریمہ اور ثناء پڑھتے پھر (جب سورۂ فاتحہ ختم کرتے تو) رکوع و سجود ادا کرتے۔ (رات تمام تہجد اسی طرح پڑھتے رہے) صبح ہوئی تو ان صاحب نے حضرت عمرؓ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا افسوس کا مقام ہے کیا (تمہیں معلوم نہیں کہ) یہ فرشتوں کی نماز ہے؟ علامہ سیوطی اس کی توضیح اس طرح فرماتے ہیں:۔ فیہ ان الملائکۃ اذن لھم فی قراءۃ الفاتحۃ فقط فقد ذکر ابن الصلاح ان قراءۃ القرآن خصیصۃ اوتیھا البشر دون الملائکۃ وانھم حریصون علی سماعہ من الانس (درمنثور) اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ملائکہ کرام علیہم السلام کو صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اجازت عطا ہوئی ہے۔ چنانچہ ابن صلاح نے ذکر فرمایا ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت ایک خصوصیت ہے جو امتِ مرحومہ کو مرحمت ہوئی ہے فرشتوں کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔ فرشتے اس کو انسانوں سے سننے کے دل دادہ اور فریفتہ ہیں۔"

آغاز و اختتامِ قرآن پر مجلس منعقد کرنے کی ترغیب

حضرت ابو قلابہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ من شھد فاتحۃ الکتاب حین یستفتح کان کمن شھد فتحا فی سبیل اللہ ومن شھد حین یختم کمن شھد الغنائم حین تقسم۔ (ابن الضریس) جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کے آغاز پر حاضر

رہتا ہے جبکہ سورۂ فاتحہ پڑھا جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص جہاد فی سبیل اللہ میں (کوئی ملک یا قلعہ کے) فتح کے موقع پر حاضر ہوتا ہے (تو فاتحین میں اس کا نام بھی لکھا جاتا ہے) اور جو کوئی قرآن کا ختم ہوتے وقت آموجود ہوتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی غنیمت کے اموال تقسیم ہوتے وقت آموجود ہوتا ہے (تو تقسیم غنیمت میں اس کا حصہ بھی لگا دیا جاتا ہے)۔" سلف صالحین کا یہ عمل تھا کہ آغاز کلام پاک اور ختم کے موقع پر لوگوں کو جمع کیا جاتا تھا کچھ نہ ہو تو گھر والے ہی جمع ہو جاتے تھے جیسا کہ آداب تلاوت کے سلسلہ میں گزر چکا۔ فی زمانا بھی تسمیہ خوانی اور ختم تراویح کے موقع پر اجتماعات ہوتے ہیں جو گوناگوں برکات کے موجب ہیں۔

سوتے وقت فاتحہ پڑھنے کی فضیلت حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اذا اخذ احدکم مضجعہ فلیقرأ بام القرآن وسورۃ فان اللہ یوکل بہ ملکا یھب معہ اذا ھب (ابن عساکر)

جب تم میں سے کوئی اپنی خوابگاہ میں آئے تو اس کو چاہیے کہ سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسرا سورہ پڑھ لیا کرے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ایک فرشتے کو مقرر فرما دیا ہے (جو رات بھر اس کے ساتھ رہتا ہے پھر جب انسان جاگتا ہے تو فرشتہ رخصت کرتا ہے۔" ہم سونے والوں کے ساتھ فرشتوں کا رہنا ہماری حفاظت کے لئے ہے۔ حفاظت بھی ایسی کہ پہرے دار اور چوکیدار سے بھی ممکن نہیں۔ اسکے سوا سورۂ فاتحہ کے بیشمار برکات ہیں جنکی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے "

یعنی شروع کرتا ہوں برکت حاصل کرتے ہوئے اور تبرک لیتے ہوئے اور مدد طلب کرتے ہوئے اللہ کے نام سے جس کا مسمّیٰ (اللہ) جملہ صفات کمالیہ کا جامع ہے جو دنیا میں تمام مخلوقات کے ساتھ خیر کا ارادہ رکھتا ہے اور عقبیٰ میں اہل ایمان کی بطور خاص خیر چاہتا ہے۔ اس میں انسان کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ وہ اپنے ہر کام کی ابتدا بسم اللہ شریف سے کیا کرے اور اللہ کے نام سے اسکی مدد کا طالب ہو تاکہ اس کام کا انجام بھی بخیر ہو۔ حدیث شریف ہے: کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ ببسم اللہ فھو ابتر۔ جو قابل لحاظ کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ دُم بریدہ یعنی ناقص رہ جاتا ہے " لہٰذا مسلمان کے ہر کام کی ابتدا بسم اللہ سے ہونی چاہئے البتہ بُرے کام پر بسم اللہ نہ کہے۔ بُرا کام مسلمان کو کرنا ہی نہ چاہئے۔

بسم اللہ قرآن کریم کی ایک مستقل آیت ہے

حضرت حبر الامہ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں: بسم اللہ الرحمن الرحیم آیۃ ۔ (ابن الضریس) بسم اللہ الرحمن الرحیم (ایک مستقل) آیت ہے "۔ یہ بھی فرمایا: اسنرق الشیطان من الناس اعظم

آیۃ من القرآن بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ (سعید بن منصور، ابن خزیمہ) قرآن کریم کی ایک نہایت ہی باعظمت آیت کو شیطان نے لوگوں سے چرا لیا ہے ۔ وہ آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے " کہ ہر نیک کام کی ابتدا میں اس کو پڑھنا چاہیے مگر شیطان بنی آدم کو اسکے پڑھنے کا موقع نہیں دیتا انسان وقت پر بھول جاتا ہے حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں : ۔ لما نزلت بسم اللہ الرحمن الرحیم حلف اللہ بعزتہ وجلالہ ان لا یسمّی علی شیئ الا بارک فیہ ۔ (ابن مردویہ، ثعلبی) جب آیۂ کریمہ بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی تو حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا میری عزت وجلال کی قسم ہے کہ بسم اللہ جس کسی چیز پر پڑھی جائے اس میں برکت ہوگی " حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا : ۔ اغفل الناس آیۃ من کتاب اللہ لم تنزل علی احد سوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ان یکون سلیمان بن داؤد علیہما السلام بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ (ابو عبید، ابن مردویہ، بیہقی) کتاب اللہ کی ایک آیت سے لوگ غافل ہوگئے جو سوائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی پر نازل نہیں ہوئی مگر حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام پر بھی نازل ہوئی تھی ۔) وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے " یہ اشارہ ہے سورہ قصص کی آیۂ کریمہ انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی طرف ۔ جو جزو آیت بنا کر حضرت سلیمان علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی ۔ اس کی تفسیر حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ کے

قلم فیض رقم سے سورۂ مذکورہ میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔

بسم اللہ ہر سورۃ میں نازل ہوئی

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔ نزلت بسم اللہ الرحمن الرحیم فی کل سورۃ۔ (واحدی) بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورت شریفہ میں نازل ہوی ہے'' یہ بھی فرمایا کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ کان جابریل اذا جاء نی بالوحی اوّل ما یلقی علیّ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ (دارقطنی) میرے پاس جبرئیلؑ وحی لاتے تو سب سے پہلے مجھ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کا القاء کرتے'' حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السورۃ وفی لفظ خاتمۃ السورۃ حتی ینزل علیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم زاد البزار والطبرانی فاذا نزلت عرف انّ السورۃ قد ختمت واستقبلت او ابتدأت سورۃ اخری۔ (ابوداؤد، بزار، طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ بیہقی) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورتوں کا فصل اور ان کا خاتمہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی سے پہچانتے تھے۔ بزار اور طبرانی کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ جب بسم اللہ نازل ہوتی تو آپ پہچان جاتے کہ ایک سورت ختم ہوئی اور دوسری شروع ہوئی'' اسی مضمون کی متعدد روایات ہیں جو حضرات ابن عمرؓ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور سعید بن جبیر سے مروی ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

بسم اللہ کے بارے میں ائمہ اربعہ کے اقوال

ان روایات اور احادیث شریفہ کے مدنظر فقہائے کرام کے اختلافات ہیں۔ اور ان کے متعدد اقوال ہیں از آں جملہ صرف ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی اور حضرت امام مالک بن انس اصبحی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول مشہور یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کریم کی ایک مستقل آیت کریمہ ہے جو فصل کے لئے نازل ہوی ہے اس سے ایک سورت کا اختتام اور دوسری سورت کا آغاز معلوم ہوتا ہے۔ یہ سورۂ فاتحہ یا اور کسی دوسرے سورے کا جزو نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی محمد بن ادریس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ تسمیہ سورۂ فاتحہ اور دوسری تمام سورتوں کا جزو ہے۔ سوائے سورت براٗت کے جس پر بسم اللہ مکتوب نہیں ہے اور ہمارے امام حضرت احمد بن حنبل شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول یہ ہے کہ تسمیہ سورۂ فاتحہ کا جزو ہے باقی دوسری سورتوں کا جزو نہیں۔ نیز ایک مسئلہ تسمیہ کو جہری نمازوں میں بالجہر یا بالسر پڑھنے کا ہے۔ بسم اللہ جن ائمہ کے پاس فاتحہ یا کسی سورت کا جزو ہے وہ اس کو جہری نمازوں میں بالجہر پڑھتے ہیں اور جن کے پاس وہ جز نہیں ہے وہ جہری نمازوں میں بھی بسم اللہ کو بالسر یعنی آہستہ پڑھتے ہیں۔ رہے ہر ایک کے دلائل وہ ان کی کتب فقہ سے معلوم کئے جا سکتے ہیں یہاں اس کی گنجایش نہیں ہے۔

یہ دو مسئلے معرکۃ الآراء مسائل سے ہیں ان پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جو چاہیں ان کو دیکھ لیں
چنانچہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک تسمیہ چونکہ سورۃ فاتحہ کا جزو نہیں ہے
اس لئے جہریہ نمازوں میں فاتحہ سے پہلے بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے۔ حضرت امام مالک کا
مذہب بھی یہی ہے۔ اور ہمارے امام حضرت احمد بن حنبل کے پاس بھی بسم اللہ آہستہ ہی
پڑھنا چاہیئے۔ حضرت امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک تسمیہ سورۃ فاتحہ
کا جزو ہے اس لئے جہریہ نمازوں میں جس طرح سورۃ فاتحہ بالجہر پڑھا جاتا ہے بسم اللہ بھی
بالجہر پڑھیں۔ احادیث شریفہ میں دونوں طریقے وارد ہیں۔ جن کی وضاحت مختصراً حسب
ذیل ہے۔

بسم اللہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے

ام المومنین سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ بسم اللہ
الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین
اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب
علیھم ولا الضالین قطعھا آیۃ آیۃ وعددھا عد الاعراب و
عد بسم اللہ الرحمن الرحیم آیۃ ولم یعد علیھم۔ (ابو عبید ابن سعد
ابن ابی شیبہ، امام احمدؒ، ابو داؤد، ابن خزیمہ، ابن الانباری، دارقطنی، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی

خطیب، ابن عبد البر) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین۔ آخر سورۃ شریفہ تک۔ ایک ایک آیتہ جدا جدا پڑھتے۔ اور ایک ایک آیتہ کو اس طرح گنتے جاتے جس طرح اعرابی گنتے ہیں (تاکہ گنوار بھی سمجھ جائیں) اور بسم اللہ کو بھی آیت شمار فرمایا۔ اور غیر المغضوب علیہم میں علیہم پر آیت شمار نہ فرمایا۔"

حضور اکرم بسم اللہ کو فرائض میں بالجہر پڑھتے تھے

حضرت ابو الطفیل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور عمار بن یاسر سے سُنا۔ وہ دونوں فرماتے تھے:۔ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یجہر فی المکتوبات ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم فی فاتحۃ الکتاب۔ (بزار، دارقطنی بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جہریہ) فرض نمازوں میں فاتحہ کتاب کی قرات کے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بالجہر تلاوت فرماتے تھے:" اسی طرح اور بھی متعدد روایات ہیں جو دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ جہریہ نمازوں میں سورۂ فاتحہ سے پہلے تسمیہ کو بالجہر پڑھا جاتا تھا۔ یا جو لوگ تسمیہ پڑھتے ہی نہ تھے یا آہستہ پڑھتے تھے ان کو بالجہر پڑھنے کے لئے کہا جاتا تھا۔

نماز میں بسم اللہ پڑھی جاتی تھی

اس کے ساتھ متعدد احادیث شریفہ میں یہ صراحت بھی

موجود ہے کہ جہریہ نمازوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بالسّر یعنی آہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور سورۂ فاتحہ کو بالجہر پڑھا جاتا تھا۔ اور جو تسمیہ کو بالجہر پڑھتے ان کو آہستہ پڑھنے کے لئے کہا جاتا تھا۔ یہ احادیث بھی مختلف صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یسر ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم وابوبکر وعمر (طبرانی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو آہستہ پڑھا کرتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی آہستہ پڑھتے تھے"۔

نماز میں بسم اللہ جہر سے پڑھنا نو ایجاد ہے

حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ کے فرزند کہتے ہیں:۔ سمعنی ابی وانا اقرأ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم فقال ای بنی محدث صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منھم جھر ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ (ابن ابی شیبہ، ترمذی بروایت حسن، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی) میرے والد نے مجھ سے سنا کہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بالجہر پڑھ رہا ہوں (جب میں نے نماز ختم کی تو) فرمایا کہ بیٹے! یہ طریقہ نو ایجاد ہے۔ میں نے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز ابوبکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ میں نے کسی سے بھی ان سب سے نہیں سنا کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بالجہر پڑھتے ہوں"۔ حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ذکر

اس لئے نہیں فرمایا کہ آپ نے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا تھا اور ابن مغفل رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ ہی میں تھے حضرت شیر خدا کی اقتدا کرنے کا ان کو اتفاق نہیں ہوا تھا۔

نماز میں بسم اللہ بالجہر پڑھنا بدعت ہے

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم قراءۃ الاعراب (ابن ابی شیبہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہر کے ساتھ پڑھنا اعرابیوں کی پڑھائی ہے جو آبادی سے باہر سکونت رکھنے کی وجہ سے تعلیم و تعلم سے واسطہ نہیں رکھتے۔ اور حضرت ابراہیم نخعی (جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشد تلامذہ سے ہیں اور کبار تابعین سے ہیں) فرماتے ہیں:—

جھر الامام ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم بدعۃ (ابن ابی شیبہ) امام کا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہر کے ساتھ پڑھنا بدعت ہے" بہرحال دلائل عقلی و نقلی دونوں طرف ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا مجتہد کا کام ہے۔ ائمہ مجتہدین نے اپنی خداداد فہم و فراست سے جس حکم کو ترجیح دی مقلدین کا کام ہے کہ اپنے اپنے امام کا اتباع کریں۔ نماز سب کی ہو جاتی ہے۔ صرف فضیلت میں اختلاف ہے۔ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کے سب قائل ہیں محض بالجہر اور بالسر کا اختلاف کوئی اہم اختلاف نہیں۔ چاروں مذاہب برحق ہیں۔ یہی حال ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے دیگر اختلافات کا ہے۔

فافھم و تدبّر۔

ائمہ اربعہ کی تقلید پر اجماع امت ہے

مجتہدین اور بھی تھے جن کی تقلید کی جاتی تھی مگر ان کے مذاہب ختم ہو گئے اب ان کے مقلدین باقی نہیں رہے اور نہ ان کے مذاہب مدوّن ہیں۔ یہ شرف ائمہ اربعہ ہی کو حاصل ہے کہ ان کے مقلدین و متبعین اقطار عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے مذاہب مدوّن ہیں۔ ہر مذہب کے اصول و فروع پر سینکڑوں کتابیں لکھی ہوئی ہیں، دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو ان کتابوں میں لکھا نہ ہو۔ اگر کوئی جزئیہ بصراحت درج نہ بھی ہو تو ہر مذہب کے اصول و فروع ایسی جامعیت سے لکھے گئے ہیں کہ اس جزئیہ کا حکم علمائے دین بآسانی دریافت کر سکتے اور عامۃ المسلمین کی رہبری فرما سکتے ہیں۔ ائمہ اربعہ کی مقبولیت عند اللہ ہونے کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ وہ خیر القرون میں تھے اور ان کا شمار تابعین یا تبع تابعین میں ہے نیز اولیائے کرام جو ابدال و اوتاد، اقطاب اور غوث کے مدارج پر فائز ہیں اور جن کی بزرگی و للّٰہیت تمام دنیا میں مسلم و مشتہر ہے وہ سب ان ہی ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کے مقلد تھے۔ اور ان ہی کے استنباط کئے ہوئے مسائل و احکام پر عمل کر کے قطبیت و غوثیت کے اعلیٰ مراتب حاصل کئے۔ اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہیگا۔ انشاء اللہ۔

مذاہب اربعہ عند اللہ مقبول ہیں

چنانچہ حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی قطب ربانی سیدی محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ حنبلی تھے اور حضرت

خواجہ خواجگان غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی رضی حنفی، اور حضرت شیخ المشائخ شیخ شہاب الدین سہروردی رض شافعی، اور شیخ ابوالحسن شاذلی رض مالکی تھے۔ یہ وہ بزرگوار ہیں جنکی سیادت و شیخت شہرہ آفاق اور چار دانگ عالم میں ان کی بزرگی مقبول و مسلم ہے ان حضرات کے شیوخ اور خلفاء کا بھی یہی حال ہے جن کی تعداد ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں، اربوں تک پہنچتی ہے۔ اللھم زد فزد۔ اور ان کی امامت پر امت مرحومہ کا اجماع ہو چکا ہے نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کوئی سنت، مذاہب اربعہ سے باہر نہیں۔ وذلك فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم۔ اب اصل مقصد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1. الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ 2. الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہان کا۔ بے حد مہربان نہایت رحم والا۔ مالک روز جزا کا۔

الحمد للہ کی تفسیر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ ہر تعریف اللہ سبحانہ کے لئے ہے۔ یعنی بہتر سے بہتر تعریفیں جو ازل سے ہوتی رہیں اور ابد تک ہوتی رہیں گی وہ درحقیقت اللہ سبحانہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔ اس لئے کہ تمام کائنات اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور کائنات کے ذرے ذرے میں جو خوبی ہے اسی کی دی ہوئی ہے اللہ سبحانہ کی ہر عطا اور دین بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ درا صل اسی کی ہے۔ لہذا کائنات میں سے جس کسی چیز کی جو تعریف بھی کی جائے وہ حقیقت میں حق سبحانہ کی تعریف ہوگی۔ اللہ سبحانہ کو حمد بہت پسند ہے اس لئے حق تعالیٰ نے خود بھی اپنی حمد فرمائی اپنا نام حمید رکھا۔ اپنی کتاب عزیز کا آغاز الحمد للہ

(ابن المنذر، ابن ابی حاتم) نماز شکر ہے۔ روزہ شکر ہے اور ہر کار خیر جو تم کرتے ہو وہ بھی شکر ہے اور افضل ترین شکر حمد ہے"۔ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:۔

(الحمد) کلمة رضيها الله لنفسه واحبّ ان تقال (ابن ابی حاتم) حمد ایسا کلمہ ہے جس کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے پسند فرمایا (اور اس سے خوشنودی کا اظہار فرمایا) اور چاہا کہ یہ کلمہ (ہر وقت اور ہر آن) کہا جاتا رہے"۔

کعب احبار رضؓ کہتے ہیں:۔ الحمد ثناء على الله۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) حمد اللہ سبحانہ کی تعریف ہے"۔ حضرت ضحاک امام تفسیر فرماتے ہیں:۔ الحمد رداء الرحمٰن (ابن ابی حاتم) حمد، خدائے رحمٰن کی چادر ہے"۔ یعنی چادر جس طرح تمام جسم کو از سر تا پا ڈھانک لیتی ہے اور انسان کی زینت و زیبائش کا سبب ہوتی ہے جس سے انسان خوش ہوتا اور لوگوں میں ممتاز ہوتا ہے۔ حمد بھی خدائے رحمٰن کی خوشنودی اور امتیاز کا سبب ہے جو اسی کو زیب دیتی ہے۔

الحمد للہ افضل ترین دعا ہے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ افضل الذكر لآ اله الا الله وافضل الدعاء الحمد لله۔ (ترمذی بروایت حسن، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی) تمام اذکار میں افضل ترین ذکر لآ اله الا الله ہے

(ابن المنذر، ابن ابی حاتم) نماز شکر ہے۔ روزہ شکر ہے اور ہر کارِ خیر جو تم کرتے ہو وہ بھی شکر ہے اور افضل ترین شکر حمد ہے"۔ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:۔

(الحمد) کلمة رضیها الله لنفسه واحب ان تقال (ابن ابی حاتم) حمد ایسا کلمہ ہے جس کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے پسند فرمایا (اور اس سے خوشنودی کا اظہار فرمایا) اور چاہا کہ یہ کلمہ (ہر وقت اور ہر آن) کہا جاتا رہے"۔

کعب احبار رضؓ کہتے ہیں:۔ الحمد ثناء علی الله۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) حمد اللہ سبحانہ کی تعریف ہے"۔ حضرت ضحاک امام تفسیر فرماتے ہیں:۔ الحمد رداء الرحمٰن (ابن ابی حاتم) حمد، خدائے رحمٰن کی چادر ہے"۔ یعنی چادر جس طرح تمام جسم کو از سر تا پا ڈھانک لیتی ہے اور انسان کی زینت و زیبائش کا سبب ہوتی ہے جس سے انسان خوش ہوتا اور لوگوں میں ممتاز ہوتا ہے۔ حمد بھی خدائے رحمٰن کی خوشنودی اور امتیاز کا سبب ہے جو اسی کو زیب دیتی ہے۔

الحمد للہ افضل ترین دعا ہے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ افضل الذکر لآ الٰه الا الله وافضل الدعاء الحمد لله۔ (ترمذی بروایت حسن، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی) تمام اذکار میں افضل ترین ذکر لآ الٰه الا الله ہے

اور تمام دعاؤں میں افضل ترین دعا الحمد للہ ہے۔" یہی وجہ ہے کہ ہر دعا کا آغاز الحمد للہ سے ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ ما انعم اللہ علی عبد نعمۃ فقال الحمد للہ الا کان الذی اعطی افضل مما اخذہ۔ (ابن ماجہ، بیہقی بروایت حسن) اللہ سبحانہ تعالیٰ کسی بندے کو کوئی نعمت سرفراز فرماتا ہے اور وہ اس پر الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ سبحانہ کی توفیق حمد ہی جو بندے کو عطا ہوی افضل ترین قرار پاتی ہے، اس نعمت سے جس کو بندے نے لیا ہے۔" حضرت جابرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ مامن عبد ینعم علیہ بنعمۃ الا کان الحمد افضل منہا۔ (بیہقی)، جس کسی بندے کو کوئی نعمت ملتی ہے (اور اس پر بندہ خدا کی حمد کرتا ہے) تو بندے کی حمد ہی (عند اللہ) اس نعمت سے افضل تر قرار پاتی ہے۔" حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضور خلق مجسم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا:۔ ما انعم اللہ علی عبد نعمۃ یحمد اللہ علیہا الا کان حمد اللہ اعظم منہا کائنۃ ما کانت۔ (عبدالرزاق، بیہقی) حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کسی بندے کو کوئی نعمت سرفراز فرماتا ہے اور وہ اس نعمت پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے تو اللہ سبحانہٗ کی

حمد ہی اس نعمت کے مقابلہ میں زیادہ باعظمت ہوتی ہے خواہ وہ نعمت کیسی ہی عظیم الشان ہو"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔

لوانّ الدنیا کلّھا بحذ افیرھا فی ید رجل من امّتی ثمّ قال الحمد للّٰہ لکان الحمد افضل من ذلک۔ (حکیم ترمذی) فرض کرو کہ ساری دنیا اپنے سازو سامان کے ساتھ میری امت کے کسی شخص کے ہاتھ میں دے دی جائے پھر وہ اس پر الحمد للّٰہ کہے تو حمد ہی اس سے زیادہ تر فضیلت رکھنے والی ثابت ہوگی"۔

الحمد للّٰہ سے میزان عمل پُر ہو جاتی ہے	حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس انور صلی اللہ علیہ العزیز الاکبر نے فرمایا:۔ الطھور شطر

الایمان، والحمد للّٰہ تملأ المیزان وسبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ تملأ ما بین السماء والارض، والصلاۃ نور، والصدقۃ برھان والصبر ضیاء والقرآن حجۃ لک او علیک کل النّاس یغدو فبائع نفسہ فمعتقھا او موبقھا۔ (امام احمدؒ، مسلمؒ، نسائیؒ) طہارت و پاکیزگی نصف ایمان ہے، اور کلمہ الحمد للّٰہ میزان عمل کو بھرپور کر دیتا ہے، اور سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ آسمان و زمین کی درمیانی فضاء کو پُر کر دیتا ہے، اور نماز نور ہے، اور صدقہ دلیل روشن ہے، اور صبر روشنی ہے اور قرآن کریم دستاویز اور حجت ہے تمھارے نفع کے لئے (اگر تم اس کے مطابق عمل کرو)

یا تمھارے عذر کے لئے ہے (اگر تم اس کا خلاف کرو)۔ ہر شخص صبح روانہ ہوتا اور اپنے نفس کو اور اپنی ذات کو بیچ ڈالتا ہے پھر وہ یا تو خود کو آزاد کرا لیتا ہے (اگر وہ راہ خدا میں فروخت کر دیتا ہے) یا اس کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے" (اگر اس کو شیطان کی راہ میں بیچ دیتا ہے۔) یہاں صرف الحمد للہ کہنے کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ التسبیح نصف المیزان والحمد للہ تملؤہ ولا الہ الا اللہ لیس لھا دون اللہ حجاب حتی تخلص الیہ۔ (ترمذی شریف) کلمہ سبحان اللہ نصف میزان ہے اور کلمہ الحمد للہ میزان عمل کو پُر کر دیتا ہے اور کلمۂ لا الٰہ الا اللہ (کہنے سے بندے اور اللہ سبحانہ کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رہتا (تمام پردے اٹھ جاتے ہیں اور اس کی ہر دعا قبول ہوتی رہتی ہے) تا آنکہ تم سب سے چھوٹ کر اس کے دربار اعلیٰ میں پہنچ جاؤ"

اللہ سبحانہ کو اپنی حمد بہت محبوب ہے

حضرت اسود بن سریع تمیمیؓ فرماتے ہیں:۔ قلت یا رسول اللہ الا انشدک محامد حمدت بھا ربی تبارک وتعالی قال اما ان ربک یحب الحمد۔ (امام احمدؒ بخاری فی الادب، نسائی، حاکم بروایت صحیح، ابو نعیم، بیہقی) میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ کو اپنا کلام جو حمد باری تعالیٰ میں ہے نہ سناؤں؟ ارشاد ہوا۔ آگاہ رہو کہ تمھارا پروردگار حمد کو پسند

فرماتا ہے "۔ ابن جریر کی روایت ہے جو وہ بھی حضرت اسود بن سریع رضؓ ہی سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: — لیس شیئ احب الیہ من الحمد للہ ولذلک اثنیٰ علی نفسہ فقال الحمد للہ ۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کو الحمد للہ سے زیادہ تر محبوب ہو ۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ثنا آپ فرمائی اور فرمایا الحمد للہ یعنی ساری خوبیاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے مختص ہیں "۔ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: — التأنّی من اللہ والعجلۃ من الشیطان وما شیئ اکثر معاذیر من اللہ وما شیئ احب الی اللہ من الحمد (بیہقی) آہستگی اور سمجھ بوجھ سے کام لینے کی توفیق اللہ کی طرف سے ہے ۔ اور جلدی شیطان کی طرف سے ۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے بڑھ کر کوئی عذرات کو قبول کرنے والا نہیں ۔ اور حمد سے زیادہ کوئی چیز اللہ کو محبوب نہیں "۔ ہم کو چاہئے کہ اپنی جملہ کوتاہیوں سے دربارِ الٰہی میں معافی چاہیں اور عذر خواہی کی ابتدا حمد باری سے کریں ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش　　عذر بہ درگاہ خدا آورد

چھینک آنے پر بھی الحمد للہ کہنا چاہئے

حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا: — اذا عطس احدکم فقال الحمد للہ قال الملک رب العالمین فاذا قال رب العالمین قال الملک یرحمک اللہ ۔ (بخاری فی الادب) جب تم میں سے کسی کو

چھینک آئے اور ساتھ ہی اس نے الحمد للہ کہا تو فرشتہ کہتا ہے رب العالمین اگر
پھر جب وہ چھینکنے کے بعد الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے
یرحمك اللہ۔ اللہ پاک تم پر رحم فرمائے" سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ
فرماتے ہیں:۔ من قال عند کل عطسة سمعها الحمد للہ رب العالمین
علی کل حال ما کان لم یجد وجع الضرس والاذن ابدا۔ جس نے کسی دوسرے
شخص کی چھینک کی آواز سنی اور یوں کہا الحمد للہ رب العالمین علی کل حال
ما کان یعنی تمام تعریفیں اللہ سبحانہ کے لئے سزاوار ہیں ہر حال میں جو نمودار ہو" تو وہ کبھی
داڑھ کا درد اور کان کا درد نہ پائے گا" حضرت واثلہ بن اسقع رضی فرماتے ہیں کہ حضور انور
علیہ صلوات الجلیل الاکبر نے ارشاد فرمایا:۔ من بادر العاطس بالحمد لم یضرہ شیئ
من داء البطن۔ (حکیم ترمذی) جس نے چھینکنے کے ساتھ ہی جلدی سے الحمد للہ کہا تو
اس کو پیٹ کی کوئی بیماری ضرر نہ پہنچائے گی" حضرت موسیٰ بن طلحہ رض فرماتے ہیں:۔
اوحی اللہ الی سلیمان ان عطس عاطس من وراء سبعة ابحر فاذکرنی۔
(حکیم ترمذی) اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اگر کوئی
چھینکنے والا سات سمندر پار سے بھی چھینکے تو تم میری یاد کیا کرو" مطلب یہ ہے کہ چھینکنے والا
تم سے کتنی بھی دور ہو جب اس کی چھینک کی آواز سنو تو میری یاد کیا کرو" یعنی الحمد للہ

یا یرحمك الله کہا کرو۔ یا ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت سامعہ اس درجہ تیز اور قوی تھی کہ سات سمندر پار کی آواز بھی آپ کو سنائی دیتی تھی۔ جیسا کہ فی زمانہ ریڈیو کے ذریعہ تمام دنیا کی تقریریں بے تکلف سنائی دیتی ہیں۔

کلمۂ الحمد للہ بہترین کلمۂ شکر

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:۔

بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سریۃ من اھلہ فقال اللھم لك علی ان رددتھم سالمین ان اشکرك حق شکرك فما لبثوا ان جاؤا سالمین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ علی سابغ نعم اللہ فقلت یا رسول اللہ الم تقل ان ردھم اللہ ان اشکرہ حق شکرہ فقال اولم افعل۔ (بیہقی) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاص اصحاب کی ایک جمعیت روانہ فرمائی اور اللہ جل شانہ کی نذر مانی کہ بار الہا! اگر آپ ان لوگوں کو صحیح سالم واپس پہنچا دیں تو میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ آپ کا شکر جیسا ادا کرنا چاہئے ادا کروں گا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ میں وہ سب واپس ہوئے تو حضور رسول دوجہاں علیہ صلوات اللہ الرحمان نے فرمایا:۔

الحمد للہ علی سابغ نعم اللہ۔ تمام تعریفیں اللہ سبحانہ کے لئے سزاوار ہیں کہ اس نے بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور ہر نعمت کی تکمیل فرمائی۔" میں نے عرض کیا

یارسول اللہ! کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اس کے شکر کا جیسا حق ہے ادا کروں گا؟

اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کیا میں نے ایسا نہیں کیا؟" مطلب یہ کہ کلمہ الحمد للہ ایسا جامع

کلمہ ہے کہ اس کے کہنے سے ساری نعمتوں کا شکر ادا ہو جاتا ہے۔

امام باقرؒ کا ایک واقعہ حضرت امام جعفر صادق علی جدہ وعلیہ السلام فرماتے ہیں:۔

فقد ابی بغلۃ فقال ان ردھا اللہ علی لاحمدنہ بمحامد یرضاھا فما لبث

ان اتی بھا بسرجھا ولجامھا فرکبھا فلما استوی علیھا رفع رأسہ الی السماء

فقال الحمد للہ لم یزد علیھا فقیل لہ ذلک فقال وھل ترکت شیئا او

ابقیت شیئا جعلت الحمد کلہ للہ عز وجل۔ (ابونعیم بیہقی) میرے والد حضرت امام باقرؒ کا

خچر گم ہو گیا تو حضرت نے فرمایا کہ اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کو میری طرف پھیر دے تو میں اس کی

ایسی حمد کروں گا جس سے وہ خوشنود ہو جائے۔ اس پر کچھ دیر نہ گزری کہ خچر اپنے زین

اور لگام سمیت آ گیا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر صرف الحمد للہ

فرمایا اور اس پر کوئی کلمہ اضافہ نہ کیا۔ اس پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو آپ نے فرمایا کیا

میں نے ادائے شکر میں کوئی کسر اٹھا رکھی؟ ساری تعریفیں اللہ عز وجل کیلئے قرار دیں"۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا:۔ یقال ان الحمد للہ اکثر الکلام تضعیفا۔ (بیہقی)

کہا جاتا ہے کہ کلمۂ الحمد للہ (بظاہر نہایت ہی مختصر جملہ کلام سمجھا جاتا ہے لیکن

درحقیقت اس میں اتنی وسعت ہے کہ) چند درچند مضامین کے اعتبار سے (جو اسمیں مضمر اور پنہاں ہیں) زیادہ سے زیادہ (طول طویل) کلام کی شان رکھتا ہے ۔"

الحمد للہ ذکر بھی ہے اور شکر بھی	حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں: حمد اللہ ذکر و شکر ولیس شیئ یکون ذکرا و شکرا غیرہ۔ (ابوالشیخ

بیہقی) الحمد للہ ذکر بھی ہے اور شکر بھی ۔ اس کے سوا کوئی اور کلمہ نہیں ہے جو ذکر بھی ہو اور شکر بھی ۔" یہ اس لئے کہ جو تعریف نعمت کے جواب میں ہو اس کو شکر کہتے ہیں ۔ اور حمد عام ہے خواہ نعمت کے جواب میں ہو یا نہ ہو۔ اس اعتبار سے ہر شکر حمد ہوگا اور ہر حمد شکر نہیں ۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں: ان العبد اذا قال سبحان اللہ فھی صلاۃ الخلائق و اذا قال الحمد للہ فھی کلمۃ الشکر التی لم یشکر اللہ عبد قط حتی یقولھا و اذا قال لا الہ الا اللہ فھی کلمۃ الاخلاص التی لم یقبل اللہ من عبد قط عملا حتی یقولھا و اذا قال اللہ اکبر ملأ ما بین السماء و الارض و اذا قال لا حول و لا قوۃ الا باللہ قال اسلم و استسلم ۔ (ابن ابی الدنیا، ابونعیم) یقین جانو کہ جب بندہ سبحان اللہ کہتا ہے تو یہ کلمہ مخلوقات کی نماز ہے ۔ (کیونکہ تسبیح سے اکثر احادیث و آیات میں نماز تعبیر کی جاتی ہے) اور جب وہ الحمد للہ کہتا ہے تو یہ کلمہ شکر ہے ۔ کوئی بندہ

اس کلمہ کے کہے بغیر اللہ سبحانہ کا شکر ادا ہی نہیں کر سکتا۔ اور جب وہ لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو یہ اخلاص کا کلمہ ہے اس کے کہے بغیر اس کے کسی عمل کو اللہ سبحانہ قبول نہیں فرماتا۔ اور جب وہ اللہ اکبر کہتا ہے تو آسمان و زمین کے درمیان کی فضا بھر جاتی ہے۔ اور جب وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتا ہے تو خداوند تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ یہ بندہ مطیع و فرماں بردار ہوا اور سلامتی چاہی۔"

ربّ کی تفسیر | رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ پالنے والا تمام عالموں کا" یعنی سب تعریفیں سزاوار ہیں اللہ کے لئے جو تمام عوالم کا پالنے والا اور ان کی تربیت فرمانے والا ہے۔ کسی چیز کو نیست سے ہست کرنا اور عدم سے وجود میں لانا اعلیٰ درجہ کا کمال ہے اور یہ کمال اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ہی ہو سکتا ہے۔ کائنات کی کوئی ہستی یہ کمال نہیں دکھا سکتی۔ اور نہ اس کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ بفرض محال اگر کوئی اس کا ادعا بزعم خود کرے تو اس سے کہا جائے گا۔ ارونی ما ذا خلقوا۔ ہمیں دکھاؤ تو ان ہستیوں نے کیا پیدا کیا؟ کیا زمین بنائی یا آسمان بنایا۔ زمین میں روئیدگی اور نبات کی صلاحیت کس نے بخشی اور آسمان میں یہ چاند، سورج اور ستارے کس نے بنائے؟ اور ان کو منور کس نے کیا؟ جب اس کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا تو ماننا پڑے گا کہ یہ سب اللہ سبحانہ کی خلق و ایجاد ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوگا کہ مخلوقات میں جو قابل تعریف صفات ہیں

وہ ساری تعریفیں حقیقت میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی تعریف ہے لہذا الحمد للہ کہنا صحیح ہوا کہ ساری تعریفیں اللہ کی ہیں۔

پھر کسی چیز کا محض وجود میں آنا ہی کافی نہیں۔ اس کے بعد ضرورت ہے اسکی پرورش اور نگرانی کی۔ نیز اس کی تربیت کی تا آنکہ جو درجہ کمال اس شئے میں جس درجہ ودیعت ہے اس پر وہ فائز ہوسکے۔ اور جو مقصد تخلیق اس شئے کا ہے حاصل ہو۔ اس لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ جس خدا نے تمام عالمین کو پیدا کیا وہی ان سب کا رکھوالی' پالنے والا' تربیت کرنیوالا' اور ہر شئے کو اس کے درجہ کمال پر پہنچانے والا ہے۔ آفرینش کے بعد سب سے پہلی احتیاج جو مخلوق کو درپیش ہوتی ہے وہ حفاظت' پرورش اور تربیت کی ہے۔ یہاں تعلیم دی جارہی ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تم کو اور ساری کائنات اور عوالم کو پیدا کرکے یوں ہی چھوڑ نہیں دیا بلکہ سب کا نگراں و محافظ بھی ہے۔ سب کی پرورش بھی کر رہا ہے اور سب کی تربیت بھی فرما رہا ہے۔ لہذا وہ ہر طرح' ہر قسم کی تعریفوں کا مستحق اور سزاوار ہے۔ چونکہ اس کی نگہداشت' پرورش اور تربیت ہر آن' ہر لحظہ جاری ہے ایک دم اس سے غافل نہیں اسلئے اس کی حمد بھی ہر آن' ہر لحظہ جاری رہنی چاہیے۔

حضرت ابن عباسؓ رب العالمین کی تفسیر میں فرماتے ہیں :- الله الخلق کله السموٰت کلهن ومن فيهن والارضون کلهن ومن فيهن مما يعلم ومما لا يعلم

(ابن جریر، ابن ابی حاتم)۔ (رب سے مراد) تمام مخلوقات کا معبودِ برحق۔ (اور عالمین
سے مراد) تمام آسمانیں اور ان میں جس قدر مخلوق ہے اور تمام زمینیں اور جو خلائق ان میں
ہیں، اور تمام مخلوقات جو آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہیں خواہ وہ جن کا علم ہو سکا ہے
خواہ وہ جن کا علم نہ ہو سکا، یہ سب عوالم ہیں۔ اور اللہ سبحانہ ان سب کا پالن ہار،
تربیت کنندہ، مالک، رکھوالی، معبودِ برحق اور آقا ہے جو ہر ایک کو اس کے درجۂ کمال
تک پہنچاتا رہتا ہے۔ یہ تفسیر رب کی ہوئی۔ اور العالمین کی تفسیر کے لئے روایات
ذیل ملاحظہ ہوں:—

العالمین کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے رب العالمین کی تفسیر میں یہ بھی
فرمایا:— الجن والانس۔ (فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم
بروایات صحیحہ) عالم جن اور عالم انس۔" حضرت مجاہدؒ اور ابن جبیرؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے
(عبد بن حمید، ابن جریر) یہاں جن اور انس کو بطور تمثیل بیان فرمایا گیا ہے ورنہ کائنات
کی ہر صنف ایک ایک عالم ہے۔ چنانچہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:— کلّ صنف عالم۔
(ابن جریج) مخلوقات کے اصناف میں سے ہر صنف ایک عالم ہے۔" حضرت ابوالعالیہ
فرماتے ہیں:— الانس عالم والجنّ عالم وماسوی ذٰلک ثمانیۃ عشر الف
عالم من الملائکۃ والارض اربع زوایا فی کلّ زاویۃ ثلاثۃ آلاف عالم

سمائة عالم خلقهم لعبادته. (ابن جریر ابن ابی حاتم) بنی آدم ایک عالم ہیں
ر بنی جان ایک عالم ہیں اور ان کے سوا ہیجدہ ہزار عالم صرف فرشتوں کے ہیں۔ پوری
ین کے چار گوشے ہیں اور ہر گوشے میں ساڑھے تین ہزار عوالم ہیں جن کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے
ن عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔" حضرت ابی بن کعب رضی فرماتے ہیں :۔ العالمون
لائكة وهم ثمانون ثمانية عشر الف ملك منهم اربعمائة او
سمائة ملك بالمشرق ومثلها بالمغرب ومثلها بالكتف الثالث من الدنيا
ثلها بالكتف الرابع من الدنيا مع كل ملك من الاعوان مالا يعلم
دده الا الله. (ثعلبی) عوالم بے شمار ہیں از انجملہ ملائکہ بھی ہیں۔ جن کے اسّی عالم
اٹھارہ ہزار فرشتے ہیں۔ ان میں سے چار پانسو فرشتے مشرق اور اتنے ہی مغرب
تعین ہیں۔ اور اتنے ہی دنیا کی تیسری سمت میں اور اتنے ہی چوتھی سمت میں جیسے
ال و جنوب میں مقرر ہیں۔ ہر فرشتے کے ساتھ ان کے اتنے اعوان و انصار ہیں جنکی
ے تعداد اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔" حضرت وہب بن منبہ رح فرماتے
ں :۔ ان الله عزوجل ثمانية عشر الف عالم الدنيا منها عالم واحد
بوالشیخ، ابونعیم) یقین جانو کہ خدائے عزوجل کے اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ ان میں سے
یا بھی ایک عالم ہے۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ ماسوی اللہ کو عالم کہتے ہیں ظاہر ہے کہ

اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سوا جو بھی ہے وہ مخلوق ہے۔ مخلوقات بے شمار ہیں۔ ان کو اٹھارہ ہزار اصناف میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے ہر صنف ایک جدا عالم ہے۔ اور اللہ عزوجل تمام عالمین کا رب ہے۔ مخلوق کا فریضہ ہے کہ اپنے خالق اور رب کو پہچانے اور اسی کی عبادت کرے۔ تمام مخلوقات اپنے خالق اور رب کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ بجز انس وجن کے۔ کہ ان میں بعض طاعت وعبادات الٰہی میں مشغول ہیں اور اکثر منحرف و غافل۔ اسی لئے ان میں رسول بھیجے گئے اور رسولوں پر اللہ کی آسمانی کتابیں اتاری گئیں اب جس نے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو بلا تفریق مانا اور ان کی اطاعت کی۔ نیز رسولوں پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان کے احکام و ہدایات پر چلتے رہے ان کی دائمی نجات ہوئی۔ اور جنہوں نے انکار کیا وہ دائمی عذاب میں گرفتار ہوئے۔ اور جن کا خدا اور رسول پر ایمان تو تھا لیکن اطاعت و فرماں برداری میں کوتاہی کی ان کا معاملہ مشیت الٰہی پر منحصر ہے چاہے ان کو بخش دے اور چاہے تو بقدر گناہ سزا دے البتہ ایمان کی بدولت دائمی عذاب سے نجات پائی۔

الرحمٰن الرحیم کی تفسیر

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ بے حد مہربان، نہایت رحم والا۔ معلوم ہے کہ رحمٰن ورحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ جو رحم سے مشتق ہیں۔ رحم کہتے ہیں رقت قلب کو جو قابل رحم پر احسان کی مقتضی ہوتی ہے لیکن

بھی محض رقّت قلب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے احسان نہیں پایا جاتا۔ رحم دل انسان
ت ہیں لیکن اکثر کسی احسان پر قادر نہیں ہوتے۔ اور کبھی رحم سے مجرد احسان مراد لیا
تا ہے، رقّت قلب کو یہاں دخل نہیں جیسے اللہ سبحانہ کی رحمت کہ احسان ہی احسان
، رقّت قلب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی جا سکتی اللہ سبحانہ کی ذات
عضاء و جوارح سے منزّہ ہے۔ پھر مبالغہ کے مدارج و اعتبارات ہیں۔ رحمٰن یعنی
حد مہربان اس اعتبار سے کہ اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ ارشاد باری ہے:۔
رحمتی وسعت کلّ شیئ۔ میری رحمت ہر چیز کو شامل اور احاطہ کی ہوئی ہے
شجر، حیوانات چرند، پرند، درند، حشرات، گزند، جن، ملائکہ وشیاطین، مومن کافر
زندیق، منکر، سب ہی اس کی بے حساب گوناگوں رحمتوں اور نعمتوں سے فیضیاب
اس درجہ کہ و ان تعدّوا نعمۃ اللّٰہ لا تحصوھا اگر تم سب مل کر اللہ کی
وں کو صرف گننا چاہو گن نہیں سکتے۔" بایں ہمہ یہ تمام رحمتیں دنیا کی حد تک
۔ رحیم صیغہ مبالغہ اس اعتبار سے کہ گو اس کی رحمتیں اہل ایمان کے ساتھ
ہیں اور محدود ہیں مگر ان کی انتہا نہیں۔ ابد الآباد کے لئے ہیں۔ اور آخرت کی
ت، دنیا کی تمام نعمتوں سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ دنیا کی
ین رحمتیں اور نعمتیں گو درحقیقت رحمت اور نعمت ہیں لیکن بعض رنج وغم اور عذاب کی

صورت میں ہیں ۔ مثلاً بخار والوں کو تلخ دوا دی جاتی ہے ۔ بیمار کے حق میں دوا رحمت
اور نعمت ہے اس اعتبار سے ع کہ داروئے تلخ ست دفع مرض ۔ مگر تلخ دوا کو فرو بے حلق
کرنا انسان کے لئے ناگوار ہے ، گو بظاہر بہ صورت تھوڑی دیر کے لئے سزا اور عذاب
کی سی ہے لیکن اس میں بھی بے پایاں رحمت الٰہی کارفرما ہے ۔ یہ اقتضاء رحمٰن کی
رحمت کا ہے ۔ رحیم کی رحمت میں رنج و غم درد و الم کا نام نہیں رحمت ہی رحمت
ہے اور رحمت بھی نا محدود و بے حساب کیونکہ یہ رحمت عالم آخرت کی ہے اور آخرت
کی رحمتیں دائمی اور ابدی ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گی ۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے :۔
رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرۃ ۔ بہر حال ایسی ذات جو جامع صفات کمالیہ ہے
اور تمام عالمین کی مالک ، دکھوالی کرنے والی ، پالنے والی ، تربیت کرنے والی ، اور
ہر ایک شئی کو اس کے درجہ کمال تک پہنچانے والی ہے ۔ پھر بے حد مہربان ، نہایت
رحم کرنے والی ہے ۔ وہی ہر طرح مستحق حمد و ثنا ہے ۔ اس کی تعریف جس قدر بھی کی جائے
اور جس درجہ بھی اس کو سراہا جائے کم ہے ۔ لہٰذا ہر حال میں انسان کو حمد الٰہی میں رطب اللسان
رہنا چاہیئے ۔

مالک کی تفسیر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ حضرت ابن عباسؓ مالک کی تفسیر
میں فرماتے ہیں :۔ لا یملك احد معه فی ذلك الیوم حکما کملکهم

فی الدنیا وفی قولہ یوم الدین قال یوم حساب الخلائق وھو یوم القیامۃ یدینھم باعمالھم ان خیرا فخیر وان شرا فشر الا من عفی عنہ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) اس دن اللہ سبحانہ کے ساتھ اور کوئی حکم نہ دے سکیگا (بلکہ کسی سے بھی اس دن کوئی حکم صادر کرنا ممکن نہ ہوگا) جیسا کہ یہ لوگ دنیا میں احکام صادر کرتے تھے اور ان کے احکام کی تعمیل ہوتی تھی۔ اور یوم الدین کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ تمام مخلوقات سے حساب لینے کا دن ہوگا اور وہ قیامت کا دن ہے۔ اس دن اللہ سبحانہ تعالیٰ ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ اگر اعمال اچھے ہوں گے تو ان کی جزا بھی اچھی ہوگی۔ اور اگر ان کے اعمال برے ہوں گے تو ان کی جزا بھی بری ہوگی۔ مگر یہ کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ (اپنے فضل وکرم سے) اس کو معافی مرحمت فرمائے (تو اور بات ہے)" حضرت ابن مسعودؓ اور متعدد اصحابؓ کبار سے بھی یوم الدین کی تفسیر میں یہی مروی ہے: ــ ھو یوم الحساب۔ (ابن جریرؒ حاکم بروایت صحیحہ) کہ یوم الدین یوم الحساب ہے" جس میں ہر ایک کے اعمال کا حساب کرکے ان کی جزا دی جائے گی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: ــ یوم یدین اللہ العباد باعمالھم۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید) یوم الدین سے مراد وہ دن ہے جس میں اللہ سبحانہ تعالیٰ تمام بندوں کے اعمال کی جزا دے گا" یہ تفسیر ہوئی مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی ہوئی۔

مَلِكِ کی تفسیر ایک قراءت یوں ہے : ۔ مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ پادشاہ ہے روزِ جزا کا " یہ قراءت بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور متعدد روایات صحیحہ اس باب میں موجود ہیں ۔ چنانچہ ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں : ۔ شکا الناس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قحوط المطر فامر بمنبر فوضعه فی المصلّٰی ووعد الناس یوما یخرجون فیه فخرج حین بدا حاجب الشمس فقعد علی المنبر فکبر وحمد اللہ ثم قال انکم شکوتم جدب دیارکم واستئخار المطر عن ابان زمنه عنکم وقد امرکم اللہ ان تدعوه ووعدکم ان یستجیب لکم ثم قال الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم ملك یوم الدین لا الٰه الا اللہ یفعل ما یرید اللّٰهم انت اللہ لا الٰه الا انت انت الغنی ونحن الفقرآء انزل علینا الغیث واجعل ما انزل قوة وبلاغا الی حین ۔ (ابو داؤد ، حاکم بروایت صحیح ، بیہقی) حضور رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ قدس میں لوگوں نے بارش کے رک جانے (اور آثار قحط پیدا ہونے) کی شکایت کی ۔ یہ سنتے ہی آپ نے منبر شریف کو (عیدگاہ میں) رکھنے کا حکم فرمایا ۔ چنانچہ (لوگوں نے) اس کو عیدگاہ میں رکھ دیا ۔ پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا (کہ فلاں روز استسقاء کے لئے)

نکلیں۔ چنانچہ آپ اس روز عین طلوع شمس کے وقت برآمد ہوئے (اور عیدگاہ پہنچکر) منبر شریف پر رونق افروز ہوئے۔ پھر آپ نے تکبیر پڑھی اور اللہ سبحانہ کی حمد و ثنا فرمانے لگے۔ اس کے بعد فرمایا:۔ لوگو! تم نے اپنے شہروں میں خشک سالی پھیل جانے اور موسم کے وقت مقررہ پر بارش نہ ہونے اور اس میں تاخیر ہونے کا شکوہ کیا۔ حالانکہ اللہ سبحانہ نے تم سے وعدہ فرمایا کہ تم اس کو پکارو وہ تمھاری پکار سن لے گا اور تمھاری دعا قبول فرمائے گا۔ اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔ سب تعریفیں اللہ سبحانہ کے لئے سزاوار ہیں جو تمام عوالم کا پالنے والا ہے بے حد مہربان' نہایت رحم والا' پادشاہ روز جزا کا۔ اللہ کے سوا کوئی ہستی مستحق عبادت نہیں۔ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کو کر گزرتا ہے (کوئی اس کے ارادے کو بدل نہیں سکتا) بارالٰہا! آپ ہی اللہ ہیں (معبود برحق) آپ کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں۔ آپ غنی ہیں اور ہم سب فقراء ہیں (آپ کے فضل و کرم کے محتاج) ہم پر بارش نازل کیجئے اور جو کچھ نازل ہو اس کو ممتد عرصہ تک کفاف کرنیوالا اور ہماری قوت اور روزی کا ذریعہ بنائیے۔" حافظ ابوداؤد سجستانیؒ مصنف سنن ابوداؤد فرماتے ہیں:۔ حدیث غریب اسنادہ جید اهل المدینة یقرؤن مٰلكِ یوم الدین وهذا الحدیث حجة لهم۔ یہ حدیث غریب ہے یعنی دوسری کسی سند کے ساتھ نہیں آئی لیکن اس کی اسناد

(جس سے یہ حدیث شریف مروی ہے) معتبر ہے۔ اہل مدینہ کی قراءت مَلِكِ یوم الدین ہے (اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی پڑھا لہذا) یہ حدیث اہل مدینہ کی اس قرأت کی مؤید ہے" اس قراءت کی تائید میں اور بھی روایات ہیں۔

مالک اور ملک میں فرق

مَالِكِ اور مَلِكِ کا فرق ظاہر ہے۔ مالک کا اشتقاق مِلْك سے ہے۔ اور مَلِكِ کا اشتقاق مُلْك سے ہے۔

کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی اس پر ہر کس و ناکس اپنی ملکیت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور چیزیں کسی نہ کسی شخص کی مملوک ہو سکتی ہیں لیکن مُلْك ہر کس و ناکس کو نہیں ملتا اور نہ ہر شخص بادشاہ ہو سکتا ہے۔ بادشاہ (مَلِك) کا اطلاق ایسی ہستی خاص پر ہوتا ہے جو مُلك یعنی زمین کے بہت بڑے حصے پر اپنا اقتدار رکھتا ہو اور سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں پر اپنا فرمان نافذ کر سکتا ہو۔ اس اعتبار سے مَلِكِ یوم الدین کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ روز جزا کا بادشاہ ہے۔ یعنی اس دن تمام بادشاہتیں حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گی اور کسی کا کوئی اقتدار کسی انسان پر یا زمین کے کسی حصہ پر بھی باقی نہ رہیگا صرف اسی خدائے واحد کی بادشاہت اور حکومت ہوگی۔ کما قال تعالیٰ لمن الملك الیوم للہ الواحد القهار۔ آج یہ سلطنت ملک اور کائنات اور اس پر اقتدار کس کو حاصل ہے؟ کسی کو نہیں صرف خدائے واحد کو

حاصل ہے جو سب پر غالب وقاہر ہے" اور مَالِكِ يوم الدين کے معنی یہ ہوئے کہ روز جزا میں ہر چھوٹی بڑی چیز کا وہی مالک ہے۔ ساری ملکیتیں اس روز ختم ہو جائینگی نفسی نفسی کی فکر دامنگیر رہیگی دونوں قراتیں بجائے خود صحیح ہیں۔ لہذا اس اعتبار سے بھی ساری تعریفوں کا استحقاق حقیقی طور پر صرف اللہ رب العالمین ہی کو حاصل ہے جو رحمن بھی ہے اور رحیم بھی اور روز جزا کا پادشاہ بھی ہے اور ہر چھوٹی بُری چیز کا مالک بھی۔ تو ہم کو چاہئے کہ ہر حال میں اس کی حمد کرتے رہیں' واللہ الموفق۔

ملك کے مقابل مالك بلیغ تر ہے

عام قرأت مالك يوم الدين ہی ہے اس لئے کہ مَلِكِ کے مقابلے میں مَالِكِ زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ پادشاہت کو اللہ سبحانہ کی ذات سے مختص کرنے کی صورت میں پادشاہت کے سوا دیگر امور چھوٹے یا بڑے ان کی مالکیت بھی اللہ سبحانہ کی ذات سے مختص ہونا مفہوم نہیں ہوتا اور اگر مالکیت ہی ذات حق سبحانہ تعالی سے مختص ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ تمام امور خواہ مالکیت ہو یا ملوکیت سب کے سب حق تعالی کی ذات سے بلا شرکت غیرے حقیقی طور پر مختص ہیں۔ واللہ اعلم۔

جب مالکیت اور ملوکیت تامہ درحقیقت اللہ سبحانہ تعالی کے لئے مختص ہونا ثابت ہو چکا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ تمام کائنات' حادث' ممکن' محتاج اور مملوک ہے۔ اور اللہ سبحانہ تعالی کی ذات قدیم ازلی' ابدی' حی' قیوم' واجب' غنی اور مالک ہے۔

لہٰذا استحقاق عبادت بھی صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ و تقدس کو حاصل ہے اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں ہو سکتی کیونکہ مخلوق مستحق عبادت نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا دارالعمل ہے اور اس کی ایک انتہا ہے اور جس دن اس کی انتہا ہوگی وہ عالم آخرت ہوگا اور عالم آخرت دارالجزا ہوگا۔ لہٰذا یہ عقیدہ کہ دنیا (دارالعمل) کا یہ سلسلہ ہمیشہ ایسا ہی چلتا رہے گا باطل ہے۔ اس سے تناسخ کا عقیدہ باطل ہو گیا۔ جب معلوم ہو چکا کہ مستحق عبادت محض ذات حق ہے اس لئے تعلیم دی جا رہی ہے کہ ہم یوں عرض کرتے رہیں:۔

4. إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں"

ایاک نعبد کی تفسیر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات مختصر کی شناخت و معرفت کرانے کے بعد جو علم الٰہیات کا لب و لباب اور خلاصہ ہے جس کی وجہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ استحقاق عبادت کس کو حاصل ہے اور کس کو نہیں۔ یعنی مستحق عبادت کون ہے اور کون نہیں؟ ہم کو کس کی عبادت کرنی چاہئے اور کس کی عبادت نہیں کی جا سکتی۔ تعلیم دی جا رہی ہے کہ ہم یوں عرض کرتے رہیں:۔ بارالٰہا! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں کسی اور کی نہیں کیونکہ آپ ہی نے ہم کو پیدا کیا۔ آفرینش میں آپ کا کوئی شریک نہ تھا۔ ربوبیت مطلقہ آپ ہی کی ذات قدسی صفات کے ساتھ

مختص ہے۔ اس میں بھی آپ کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرۃ بھی آپ ہی ہیں۔ اس میں بھی آپ کا کوئی یار و مددگار نہیں۔ مالک روز جزا بھی آپ ہی ہیں۔ اس میں بھی کسی کی شرکت نہیں تو ہماری عبادت کے مستحق بھی آپ ہی ہیں اس میں بھی ہم کسی کو شریک نہیں کرتے۔ امر الا تعبدوا الا ایاہ آپ کا حکم بھی ہم کو یہی ہے کہ تم اس الٰہ واحد، خالق، رب، رحمٰن و رحیم، مالک روز جزا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو" لہٰذا ہم سب آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، کرتے رہینگے۔ کسی اور کی نہیں۔ گویا بندے کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات والاصفات کا علم اور معرفت حاصل ہو چکی جس کا بیان سورۂ فاتحہ کی ابتدائی تین آیات میں گزر چکا تو اس علم و معرفت کی بدولت نعمت شہود و حضور حاصل ہو گئی اس طرح وہ بارگاہ الٰہی میں خود کو حاضر جان کر مشافہتہً ہم کلام ہو رہا ہے اور کمال عجز و انکسار کے ساتھ پوری جماعت کی طرف سے عرض پرداز ہے کہ ہم سب آپ ہی کی عبادت کر رہے ہیں کسی اور کی نہیں۔

عبادت کے معنی عبادۃ کہتے ہیں غایۃ تذلّل کو۔ انتہائی ذلت و عاجزی اور کمال تواضع و انکساری کو۔ امام لغت راغب اصبہانی لکھتے ہیں:۔ العبودیۃ اظہار التذلل والعبادۃ ابلغ منہا لانّہا غایۃ للّل ولا یستحقّہا الّا من لہ غایۃ الافضال وھو اللہ تعالیٰ۔ اپنے عجز و انکسار اور ذلت و افتقار کے

ظاہر کرنے کو عبودیت کہتے ہیں اور عبادت اس سے بھی بلیغ تر ہے کیونکہ کمال درجہ کے تذلل کو عبادت کہا جاتا ہے اور عبادت کا مستحق وہی ہے جس کا فضل و کرم بھی کمال درجہ کا ہو (کہ اس سے زیادہ بلکہ اس جیسا فضل متصور ہی نہ ہو) اور ایسا استحقاق رکھنے والا صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی ہے" لہذا عبودیت اور عبادت کو ایک سمجھنا اور دونوں میں فرق نہ کرنا غلطی ہے۔ عبادت صرف حق سبحانہ تعالیٰ کی ہوگی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی نہیں ہوسکتی اور عبودیت یعنی معمولی درجہ کے تذلل کا اظہار دوسروں کے آگے بھی ہوسکتا ہے۔ کمال درجہ کا تذلل غیر اللہ کے آگے شرک ہے۔ کیونکہ یہ غیر اللہ کی عبادت ٹھہری۔ عبودیت میں شرک نہیں لہذا جو لوگ عبودیت کو بھی عبادت قرار دیتے ہیں وہ غلطی کر رہے ہیں۔ کما لا یخفی۔

عبادۃ کے مرادی معنی | حضرت ابن عباسؓ اِیَّاكَ نَعْبُدُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ ایاک نوحد ونخاف ونرجو ربنا لاغیرک (ابن جریر، ابن ابی حاتم) یعنی اے ہمارے پروردگار مطلق! ہم سب آپ ہی کو آپ کی ذات والاصفات میں واحد ویکتا ہونے کا دل سے یقین رکھتے اور زبان سے اقرار کرتے ہیں اور آپ ہی سے کمال درجہ کا خوف رکھتے اور آپ ہی کی کمال درجہ کی رحمت کے امیدوار ہیں نہ کہ آپ کے سوا کسی اور سے" حضرت انس بن مالکؓ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا:۔ کنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم فی غزاۃ فلقی العدو فسمعتہ یقول یامالک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین قال فرأیت الرجال تصرع تضربھا الملائکۃ من بین یدیھا ومن خلفھا۔ (بغوی، ماوردی، طبرانی، ابونعیم) ہم ایک غزوہ میں حضور رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ دشمن سے مقابلہ ہوا تو آپ سے میں نے سنا کہ یوں فرمارہے تھے :۔ یامالک یوم الدین! ایاک نعبد وایاک نستعین۔ اے مالک روز جزا! ہم سب آپ ہی کی عبادت کرتے اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں" حضرت ابوطلحہؓ کا بیان ہے کہ یہ کلمات طیبہ حضور اقدس کی زبان مبارک سے جاری ہوئے تھے کہ میں نے دیکھ لیا کہ دشمن کی فوج پچھاڑی جارہی تھی

اور ملائکہ کرامؑ مقابلہ میں آنے والوں اور مقابلہ سے بھاگنے والوں کو مارتے جارہے تھے۔

عبادت کے اقسام

پھر عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عبادت تسخیری اور دوسری عبادت اختیاری۔ قسم اول یعنی عبادت تسخیری غیر ناطقین کی ہے۔ مثلاً جمادات نباتات، حیوانات کی عبادت کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے وہ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں ان کے ارادے اور اختیار کو کچھ بھی دخل نہیں جمادات مثلاً پہاڑ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاں ٹھہرا دیا وہ اپنی جگہ پر ابتدائے آفرینش سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یہی ان کی عبادت ہے۔ درخت حالت قیام میں ہیں ان میں سے بعض بحالت قیام ہیں لیکن جب ہوا چلتی ہے تو وہ رکوع کی حالت میں ہوتے ہیں اور بعض اوقات ان کی شاخیں زمین سے جالگتی ہیں یہ ان کا سجدہ ہے۔ اور حیوانات میں سے بعض رکوع میں ہیں جیسے چارپائے کہ ان کے سر جھکے ہوئے ہیں۔ بعض سجدے کی حالت میں زمین پر سر رکھے ہوئے۔ جیسے رینگنے والے جانور۔ دوسری قسم عبادت اختیاری۔ یہ ناطقین کی عبادت ہے کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اور اسی بنا پر وہ اجر و ثواب کے مستحق قرار پاتے ہیں جبکہ ان کی عبادت خالصاً اللہ سبحانہ کے لئے اس کے حکم کے مطابق ہو۔ یہاں ایاک نعبد سے یہی اختیاری عبادت مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: وما خلقت الجن

والانس الا لیعبدون ۔ میں نے جن وانس کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں اور ہمیشہ میرے بندے بنے رہیں۔ مقام غور ہے کہ تسخیری عبادت کی بجاآوری میں کائنات کا ایک ایک ذرہ ہر آن وہر لحظہ لگا ہوا ہے بلکہ ناطقین کا ایک ایک عضو ہاتھ، پاؤں، دل، دماغ، ناخن اور ہر بُن مو بھی تسخیری عبادت میں مشغول و موظف ہے مگر غفلت ولاپرواہی، سستی وسہل انگاری اگر طاری ہے تو ناطقین پر ہے جن سے اختیاری عبادت مطلوب ہے۔

ایاک نستعین کی تفسیر

وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۔ اور تجھی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں" یعنی ہر کام اور ہر امر میں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہم آپ ہی کی مدد کے خواستگار ہیں۔ حدیث شریف ہے کہ اگر تمہاری جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو تم اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ہی کی مدد طلب کرو۔ ظاہر ہے کہ تمام امور اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ بیدہ الامر۔ اسی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے" تو جب تک عون الٰہی شامل حال نہ ہو کچھ نہیں ہو سکتا۔

عون کے اقسام

عون (مدد) کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک بلاواسطہ دوسری بالواسطہ۔ یا بالفاظ دیگر حقیقی اور مجازی۔ حقیقی اور بلاواسطہ مدد تو حق سبحانہٗ تعالیٰ ہی سے چاہی جائے گی۔ دعائے قنوت میں ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ

اے اللہ! یقیناً ہم آپ سے مدد طلب کرتے اور مدد کی درخواست کرتے ہیں اور آپ سے (اپنے گناہوں کی) مغفرت و بخشش کے خواستگار ہیں " یعنی حقیقی مدد (آپ ہی کے) ہاتھ ہے لہذا آپ ہی سے بلاواسطہ مدد کے طالب ہیں۔ اور حقیقی مغفرت و بخشش کے مالک آپ ہی ہیں لہذا آپ ہی سے بلاواسطہ بخشش اور مغفرت کے طلبگار ہیں۔ اور بالواسطہ مدد اس طرح جیساکہ عام محاورہ ہے:۔ کتبتُ بالقلم۔ میں نے قلم کی مدد سے لکھا " قلم بھی دیگر اشیاء کی طرح چونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اس اعتبار سے قلم کی مدد بھی حقیقت میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی مدد ٹھہری۔ لہذا کتبت بالقلم کہنا صحیح ہوا۔ ارشاد باری ہے:۔ اقرأ وربك الاكرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔ پڑھو اور تمہارا رب اکرم وہ ہے جس نے قلم کے ذریعہ اور اسکی وساطت ومدد سے علم سکھایا۔ سکھایا انسان کو وہ سب کچھ جس کو وہ نہ جانتا تھا " استعانت کے سلسلہ میں باری تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:۔ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔ مدد طلب کرو صبر کے ذریعہ سے اور نماز کی وساطت سے " یہاں بھی حقیقی مدد تو اللہ سبحانہ کی ہے لیکن صبر اور نماز کو مدد الٰہی کی طلب کا واسطہ گردانا گیا ہے کہ اگر صبر اور نماز کی وساطت سے مدد الٰہی کی درخواست کی جائے تو وہ اقرب الی الاجابت ہوگی۔ اسی طرح ذوالقرنین کے قصے میں ارشاد الٰہی ہوا ہے:۔ اعینونی بقوۃ

میری مدد طاقت کے ذریعہ کرو۔" یعنی سد یاجوج وماجوج کی تیاری کے سلسلہ میں ذوالقرنین نے کہا کہ مال ومتاع کے ذریعہ ہمیں تمہاری کسی امداد و اعانت کی حاجت نہیں۔ اللہ پاک نے اپنے فضل وکرم سے سب کچھ سرفراز فرمایا ہے۔ صرف ہاتھ پاؤں کی طاقت اور قوت کے ذریعہ تمہاری امداد و اعانت مطلوب ہے۔ (اس پر بھی تمہاری خدمت کا معقول معاوضہ دیا جائے گا۔) گم گشتہ راہ کو بھی مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ اس طرح کہیں:۔ اعینونی عباد اللہ۔ اے بندگان خدا! (رجال الغیب سے خطاب ہے) میری امداد و اعانت کیجئے۔" اکثر ایسا ہوا اور ہوتا ہے کہ غیب سے کوئی وہاں آتا اور راستہ بتا دیتا ہے۔ ع مردے از غیب بروں آید و کارے بکند یہ بھی منجانب اللہ ہے۔

مقبولان بارگاہ سے استمداد و استعانت

بہرحال استعانت بے واسطہ ہو یا بواسطہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات ووسائل ہیں اور عون الٰہی کے مظاہر۔ خواہ وہ اشیاء وآلات ہوں یا مقبولان بارگاہ یعنی اللہ سبحانہ کے محبوبین ومقربین (انبیاء علیہم السلام اولیاء وصلحاء وشہداء وغیرہم) مومن کو چاہیئے کہ ہر حال میں اسی ذات حق پر نظر رکھے۔ اور ہر امر میں اسی کے دست قدرت کو کارکن سمجھے۔ اور یہ اعتقاد رکھے کہ عون الٰہی

کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔ ؎

بے عنایات حق و خاصان حق　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

یہ خیال کہ انبیاء واولیاء سے مدد چاہنا شرک ہے باطل ہے۔ اس لئے کہ امداد و اعانت کسی کی بھی ہو درحقیقت وہ اللہ سبحانہ کی ہی امداد و اعانت ہے۔ البتہ امداد و اعانت جو بالواسطہ ہو اس میں کسی کو مستقل و بالذات نہ سمجھنا چاہیئے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۙ چلا ہم کو راہ سیدھی ۔

اھدنا کی تفسیر ذات باری تعالیٰ اور اس کے صفات مختصہ کی معرفت اور شناخت کرا دینے کے بعد تعلیم دی گئی کہ ہم اسی کی عبادت کیا کریں کسی غیر کی نہیں۔ اور اپنے تمام حاجات (چھوٹے ہوں یا بڑے) کی تکمیل کے لئے اسی کی امداد و اعانت کے طلبگار رہیں۔ (خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ) ازانجملہ سب سے اہم ترا اور جامع ترین حاجت یہ کہ ہم سب کو سیدھی راہ چلائے۔ اگر عبادت با جماعت ادا کی جا رہی ہے تو جتنے اصحاب شریک جماعت ہیں ان سب کو سیدھی راہ پر چلانا مطلوب ہوگا۔ اور اگر ہم تنہا عبادت کر رہے ہوں تو اس سے ہمارے تمام اعضاء و جوارح (دل، دماغ، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ) سب کو راہ راست پر قائم رکھنا مراد ہوگا کہ ان سے کوئی کام خلاف احکام شرع شریف نہ ہونے پائے۔ ہر امر میں اسی کی رضا و خوشنودی

شامل حال رہے۔

ھدایۃ اللہ کے اقسام اور قسم اول کا بیان

ھدایت کے دو معنی ہیں۔ ایک اراءۃ الطریق یعنی راستہ بتادینا جو منزل مقصود تک جاتا ہو' دوسرا ایصال الی المطلوب یعنی منزل مقصود تک پہنچادینا۔ اور ھدایۃ اللہ چار طرح پر ہے۔ ایک ہدایت عامہ جو ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کے لئے بلکہ اس سے بھی عام تر جمادات' نباتات سب کے شامل حال ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ ربنا الذی اعطی کل شیئ خلقہ ثم ھدیٰ۔ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب حال پیدا کیا پھر ہر ایک کے مقصد تخلیق کی طرف رہنمائی فرمائی" اسی ہدایت کا نتیجہ ہے کہ ہر شئے اس رب جلیل کی ثنا و صفت اور اس کی تسبیح و تحمید میں ہر لحظہ اور ہر آن زبان حال و قال سے رطب اللسان ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔ وان من شیئ الا یسبح بحمدہ و لکن لا تفقھون تسبیحھم۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح و تحمید نہ کرتی ہو مگر تم (اے انس و جن) ان کی تسبیح و تحمید کو سمجھ نہیں سکتے ہو" بلند بلند پہاڑ قعدے میں ہیں۔ اور اپنی اپنی جگہ تسبیح و تحمید میں مست و مستغرق ہیں۔ درخت اسکی تسبیح و تہلیل میں جھوم رہے ہیں۔ پرندے اپنے اپنے نغمے گا رہے ہیں۔ دیگر حیوانات لطف تسبیح اٹھاتے ہوئے وجد کر رہے ہیں۔ انس و جن کا ہر ہر عضو اپنے مناسب حال

تسبیح وتحمید میں مشغول ومؤظف ہے۔ اور انس وجن بھی حسب ہدایت ربانی تسبیح وتحمید میں اپنے حصے اور نصیب کے مطابق اس میں حصہ لے رہے ہیں۔ ذٰلك تقدیر العزیز العلیم ہے

ہر گیاہے کہ از زمیں روید　　وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

ھدایت اللہ کی دوسری قسم

ھدایۃ اللہ کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آسمانی کتابیں نازل کی گئیں اور پیغمبروں کو بھیجا گیا۔ پھر اللہ سبحانہ کو منظور ہوا کہ ارسال رسل اور انزال کتب کا سلسلہ ختم کیا جائے تو آخری کتاب (قرآن کریم) کی تاقیامت حفاظت کا اہتمام فرمایا گیا۔ اور حضور خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی امت مرحومہ میں آپ کے خلفاء وجانشین علماء پیدا کئے گئے جو قیامت تک منصب نبوت و رسالت کے خدمات جلیلہ حسب حوصلہ انجام دیتے رہیں گے قرآن کریم کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے :۔ ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم۔ بے شک یہ قرآن رہنمائی کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے" اور پیغمبران علیہم السلام اور ان کے جمیع خلفاء و علماء کے باب میں ارشاد ہے :۔ وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا۔ اور ان انسانوں میں سے ہم نے پیشوایان دین پیدا کئے جو ہمارے حکم کے مطابق رہنمائی کرتے ہیں"

ھدایۃ اللہ کی تیسری قسم

تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے

اہل ایمان کو کسی امر خیر کی جو توفیق ہوتی ہے اور اس کار خیر کے کرنے کے لئے جو اسباب منجانب اللہ فراہم کئے جاتے ہیں اس کو بھی ھدایۃ اللہ کہتے ہیں باری تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:۔ ومن یؤمن باللہ یھد قلبہ۔ اور جو کوئی حق تعالیٰ شانہ پر ایمان لائے تو اللہ پاک اس کے دل کو راہ ہدایت دکھاتا رہتا ہے" دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ انّ الذین آمنوا وعملوا الصالحات یھدیھم ربّھم بایمانھم یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے تو ان کا پروردگار ان کے ایمان کی بدولت ان کو راہ ہدایت دکھاتا رہتا ہے" یہ بھی ارشاد ہے:۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا۔ جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے رہتے ہیں ہم ان کو ضرور اپنی راہ دکھاتے رہتے ہیں" والذین اھتدوا زادھم ھدی وآتاھم تقواھم۔ اور جو لوگ راہ ہدایت اختیار کرتے ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اور ترقی کرتا اور ان کو ان کے تقوے کا صلہ عنایت فرماتا ہے"

ھدایۃ اللہ کی چوتھی قسم

ھدایۃ اللہ کی چوتھی قسم وہ ہے کہ اس عالم کے ختم کے بعد جب عالم آخرت درپیش ہوگا تو اہل ایمان کو جنت کی راہ دکھادی جائے گی اور سیدھا جنت میں پہنچادیا جائے گا۔ اور اہل ایمان داخل جنت ہوکر اللہ سبحانہ کے شکر گزار ہوں گے۔ وقالوا الحمد للہ الذی

هدانا لهذا وما کنا لنہتدی لولا ان هدانا الله ۔ اور اہل ایمان کہیں گے
سب تعریف اللہ کی ہے جس نے ہم کو اس (مقام کریم جنات نعیم) کی راہ دکھائی اور
ہمیں یہاں پہنچا دیا ۔ اور ہم راہ ہدایت نہ پا سکتے اگر ہدایت الٰہی ہمیں نصیب نہ ہوتی ۔"
دوسری جگہ ارشاد ہے ۔ سیهدیهم ویصلح بالهم ویدخلهم الجنة عرفها لهم ۔
عنقریب ان کو راہ جنت دکھائے گا اور ان کے قلوب کی اصلاح فرمائے گا اور ان کو
داخل جنت فرمائے گا جس کی شناخت ان کو پیشتر سے کرادی گئی تھی ۔"

هدایة اللہ کی ترتیب یہ بھی یاد رہے کہ ہدایت الٰہی کے ان چاروں اقسام میں
ترتیب اور تسلسل ہے اور ہر ایک قسم کی ہدایت یکے بعد دیگرے حاصل ہوتی ہے
تاوقتیکہ قسم اول حاصل نہ ہو قسم دوم حاصل نہیں ہوتی ۔ اور یہی حال قسم سوم وچہارم
کا ہے ۔ جو لوگ راہ ہدایت کے طالب ہوتے ہیں ان ہی کو ہدایت نصیب ہوتی
ہے ۔ یہ ہدایت کا پہلا درجہ ہے جس کا تعلق ایمان سے ہے جب ایمان نصیب ہوا
تو اس کے بعد عمل صالح کی توفیق کا درجہ ہے ۔ جب یہ بھی حاصل ہو تو اس پر ثبات
واستقامت چاہیئے ۔ جیسا کہ والذین اهتدوا زادهم هدی میں ایما
فرمایا گیا ہے ۔ اسی طرح درجہ بدرجہ اس میں ترقی ہوتی ہے ۔ اگر کسی کو درجۂ چہارم
کی ہدایت نصیب ہو چکی تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ سابقہ تین مدارج اس کو حاصل تھے ۔

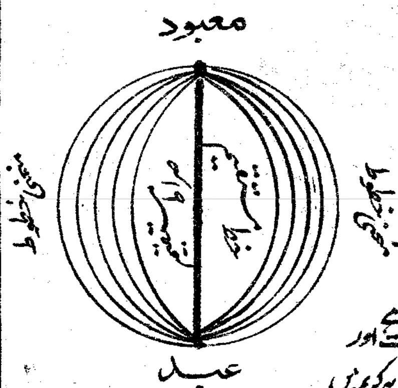
اسی طرح کسی کو تیسرا درجہ حاصل ہے تو یہ سمجھ لیجئے کہ پہلے دو درجے حاصل تھے۔ اھدنا الصراط المستقیم کے ذریعہ جس ہدایت کی خواستگاری کی جارہی ہے وہ درجۂ سوم کی ہدایت ہے۔ اس اعتبار سے ہدایت یافتہ اصحاب کے مدارج قائم ہوتے ہیں۔ کوئی ابتدائی درجہ پر ہی رہتا ہے۔ یہ وہی ہے جو صرف ایمان پر قائم رہا اور عمل میں قاصر رہا کوئی عمل میں حصہ لیتا رہا لیکن اس کو استقامت حاصل نہیں ہوئی اور اگر کسی کو استقامت بھی نصیب رہی تو اس کا کیا کہنا۔ مگر ایسے افراد کم ہیں۔ اور اھدنا الصراط المستقیم میں یہی مطلوب ہے۔ اسی لئے ہم نے اس آیہ کریمہ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ چلا ہم کو راہ سیدھی۔ یہ تفسیر اھدنا کی تھی۔ الصراط المستقیم کی تفسیر آگے آرہی ہے۔

صراط المستقیم کی تفسیر الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ (چلا ہم کو) راہ سیدھی۔ یا (دکھا ہم کو) راہ سیدھی" حضرت ابن عباسؓ نے اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں فرمایا۔

الھمنا الطریق الھادی وھو دین اللہ الذی لا عوج لہ۔ (ابن جریر ابن المنذر)

ہم کو ایسی راہ کا الہام فرمایئے جو (آپ تک) پہنچانے والا ہو۔ اور وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کا دین ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہیں ہے" دنیا میں راستے بے شمار ہیں جن پر لوگ گامزن ہیں۔ اور ہر ایک کی منزل مقصود بھی جدا ہے۔ ہمیں ان تمام راستوں سے بحث نہیں۔ ہمارا مقصد صرف اس راہ کی نشان دہی ہے جو موصل الی اللہ ہو۔

اگر سب کی منزل مقصود ایک بھی ہو تو علم ریاضی میں بتلایا گیا ہے کہ ایک نقطے کو دوسرے نقطے سے ملانے کے لئے بھی بے شمار خطوط کھینچے جا سکتے اور ان کے ذریعہ ایک کو دوسرے سے ملایا جا سکتا ہے لیکن یہ بے شمار خطوط منحنی ہوں گے ان میں کہیں نہ کہیں کجی اور ٹیڑھا پن ہوگا اور یہ کجی جتنی زیادہ ہوگی وہ خط زیادہ طویل اور دراز تر ہوگا جس کو طے کرنا دشواری سے خالی نہ ہوگا۔ ہاں اگر خط مستقیم کے ذریعہ ان دونوں نقطوں کو ملایا جائے تو وہ خط سب سے چھوٹا اور سہل الوصول ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ ایک ہی ہوگا۔ حاشیہ پر اس کا نقشہ ملاحظہ ہو۔



خط مستقیم جو نقشے میں جلی قلم بتایا گیا ہے وہی صراط مستقیم ہے جو ایک ہی ہے اس میں تعدد اور دوئی کی گنجائش نہیں جو فرقۂ اہل السنۃ والجماعت ہے اور منحنی خطوط سے اسلام کے (۷۲) فرقے مراد لئے جا سکتے ہیں۔ اس آیہ کریمہ میں یہی درخواست کی جا رہی ہے کہ پروردگارا! ہم کو سیدھی راہ دکھایئے کہ ہم اسی پر چلتے ہوئے جلد تر بسہولت تمام آپ تک بغیر کسی مشقت کے چلتے رہیں۔ یا ہم کو اسی صراط مستقیم پر چلایئے کہ اس سے ہٹنے اور بھٹکنے نہ پائیں۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ دین اللہ ہے۔" حضرت ابن عباسؓ نے دوسرے موقع پر فرمایا: ــ الصراط المستقیم الاسلام۔ (ابن جریج) صراط مستقیم اسلام ہی ہے۔

حضرت ابن مسعود اور متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی اسی طرح مروی ہے (ابن جریر)

صراط مستقیم کتاب اللہ ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ ھو کتاب اللہ۔ (وکیع، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن الانباری، حاکم بروایت صحیح، بیہقی) صراط مستقیم، کتاب اللہ یعنی قرآن کریم ہے " یہ بھی فرمایا:۔ ان ھذا الصراط محتضر تحضرہ الشیاطین یا عباد اللہ ھذا الصراط فاتبعوہ والصراط المستقیم کتاب اللہ فتمسکوا بہ (ابن الانباری) یہ صراط (راہ اسلام ہو یا کتاب اللہ) ایک اڈہ ہے جہاں (سے بھٹکانے اور بہکانے کیلئے) شیاطین موجود رہتے ہیں اسلئے بندگان خدا! تم اس راہ اسلام کا اتباع کیا کرو۔ اور صراط مستقیم اللہ کی کتاب ہے لہٰذا اس کو مضبوطی کے ساتھ تھامے ہوئے رہو" حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ الصراط المستقیم الذی ترکنا علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (طبرانی) صراط مستقیم (دین اسلام یا کتاب اللہ) یہی ہے جس پر حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو لا چھوڑا" دوسری روایت یوں ہے:۔ الصراط المستقیم ترکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی طرفہ والطرف الآخر فی الجنۃ۔ (ابن مردویہ، بیہقی) صراط مستقیم یہی ہے

جس کے ایک سرے پر ہم کو حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لا چھوڑا اور دوسرا سرا جنت میں ہوگا۔"

صراط مستقیم حضور کی ذات اقدس اور شیخین ہیں

حضرت ابو العالیہؓ فرماتے ہیں: ۔ ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصاحباہ من بعدہ ۔ صراط مستقیم حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے اور آپ کے بعد آپ کے دونوں اصحاب (شیخین نیر ین سیدنا ابوبکر صدیق اکبر و سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہیں۔" حضرت عاصم احول نے حضرت ابو العالیہؓ کی یہ تفسیر سن کر اس کا تذکرہ حضرت حسن بصریؒ سے کیا تو انھوں نے فرمایا: ۔ صدق ابو العالیۃ ونصح ابو العالیہ نے بہت سچ کہا اور خالص خیر خواہی کی بات فرمائی۔" حضرت ابو العالیہؓ نے یہ بھی فرمایا: ۔ تعلموا الاسلام فاذا علمتموہ فلا ترغبوا عنہ وعلیکم بالصراط المستقیم فان الصراط المستقیم الاسلام ولا تحرفوہ یمینا وشمالا۔ (عبد بن حمید) اسلام کو سیکھو پھر جب اس کو سیکھ لو تو اس سے اعراض اور روگردانی نہ کرو۔ اور صراط مستقیم اختیار کرو، کیونکہ صراط مستقیم راہ اسلام ہے اس کو داہنے بائیں موڑنے کی کوشش نہ کرو۔"

قرآن کریم جامع کلام ہے

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: ۔ لیس فی

تفسیر القرآن اختلاف و انّما ھو کلام جامع یراد بہ ھذا و ھذا (سعید بن منصور، ابن المنذر، بیہقی) قرآن کریم کی تفسیر میں اختلاف نہیں ہے بلکہ وہ جامع کلام ہے اس سے یہ معنی بھی مراد لئے جا سکتے ہیں اور وہ بھی۔" حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ انّک لا تفقہ کلّ الفقہ حتی تری للقرآن وجوھا۔ (ابن سعد، ابونعیم) "تم فقیہ کامل نہیں ہو سکتے تا آنکہ قرآن کریم کے تمام وجوہ و معانی کو نہ جان لو۔" مطلب یہ کہ قرآن کریم کی تفسیر میں سلف صالحین کے اقوال، صحابہ کرام کے آثار اور حضور رحمۃ للعالمین کے احادیث شریفہ میں ایک ایک آیہ کریمہ اور اس کے ایک ایک کلمہ کے کئی کئی معانی ملیں گے جس سے بادی النظر میں یہ معلوم ہوگا کہ اسکی تفسیر میں اختلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ قرآن کریم اللہ سبحانہ تعالیٰ کا جامع کلام ہے جو تمام تفاسیر اور معانی کی اپنے اندر گنجائش رکھتا ہے اور ہر تفسیر و معنی جو سلف سے منقول ہے بجائے خود صحیح و درست ہے۔

قرآن کریم میں ہر زمانے کے واقعات کا حل موجود ہے

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے:۔ ستکون فتن قلت وما المخرج منھا قال کتاب اللہ فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل

لیس بالھزل، وھو حبل اللہ المتین، وھو ذکرہ الحکیم وھو الصراط المستقیم

(ابن ابی شیبہ، دارمی، ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن الانباری، ابن مردویہ، بیہقی)

آئندہ فتنے پیدا ہوں گے۔ (حضرت شیرِ خدا فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ ان فتن سے صحیح و سالم عہدہ برآ ہونے کی پھر کیا صورت ہو سکتی ہے؟ ارشاد ہوا۔ اللہ کی کتاب (قرآن کریم سے تمسک کرنا، اس کو کبھی نہ چھوڑنا) اس میں تمھارے ما قبل زمانے کے تمام واقعات درج ہیں (ماضی میں جو کچھ ہوا ہے اس کے پوست کندہ تمام واقعات بتا دئے گئے ہیں) اور تمھارے بعد آنے والے جملہ احوال کی خبریں بھی ہیں۔ (کہ بعد والوں کو کن کن احوال سے گزرنا ہوگا اور مستقبل یعنی آنے والے زمانے میں کیا کیا امور در پیش ہوں گے ان کی خبر دے دی گئی اور ان سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔) اور تمھارے مابین جو واقعات و احوال در پیش ہیں ان کا حکم بھی واضح طور پر بتا دیا گیا ہے۔ (یعنی زمانۂ حال کے تمام امور بھی آئینہ طرح تمھارے سامنے رکھ دئے گئے ہیں۔) قرآن کریم کا ہر حکم، وہی قول فیصل ہے۔ وہ کوئی سطحی، دل بہلائی کا کام نہیں (بلکہ جچا تلا کلام ہے) وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے (جس کو تھام کر عبدیت کے اسفل مقام سے معبودیت کے مقام رفیع تک پہنچنے کا قوی ذریعہ ہے) اور وہی اللہ سبحانہ تعالیٰ کی یاد دلانے والی کتاب ہے۔

اور وہی صراط مستقیم ہے۔" قرآن کریم میں ہر زمانے کے احوال کا حل موجود ہے۔

کتاب وسنت لازم وملزوم | حضرت عکرمہ فرماتے ہیں:۔ سمعت ابن عباسؓ
يحدث عن الخوارج الذين انكروا الحكومة فاعتزلوا علي بن ابي طالب
قال فاعتزل منهم اثنا عشر الفا فدعاني علي فقال اذهب اليهم فخاصمهم
وادعهم الى الكتاب والسنة ولا تحاجهم بالقرآن فانه ذو وجوه
ولكن خاصمهم بالسنة ۔ (ابن سعد) میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا وہ
خوارج کے واقعات بیان فرما رہے تھے جنہوں نے تحکیم (ثالثی) کا انکار کیا تھا
(وہ تحکیم کو نہیں مانتے تھے وہ کہتے تھے کہ جنگ صفین کے موقع پر آپ نے ہر ایک فریق
کی طرف سے ایک ایک حکم کیوں مقرر کیا۔ ثالثی مقرر کرنا اور ثالث کے حکم پر راضی ہونا
قرآن کریم کے خلاف ہے۔ قرآن کریم کا حکم یہ ہے:۔ ان الحکم الا للہ۔ حکم
کسی کا نہیں صرف اللہ سبحانہ کو اس کا حق ہے) اس بنا پر خوارج نے سیدنا علی مرتضیٰ
کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اس طرح بارہ ہزار
کا لشکر آپ کی رفاقت سے انکار کر کے آپ سے جدا ہو گیا۔ اس موقع پر سیدنا علی کرم اللہ
وجہہ نے مجھے یاد کیا اور فرمایا کہ تم ان لوگوں کے پاس جاؤ۔ اور ان کو قائل کرو۔ انکو کتاب
وسنت کا اتباع کرنے کی دعوت دو۔ (مگر خبردار) صرف قرآن کریم سے قائل کرنے کی

کوشش نہ کرنا کیونکہ قرآن کریم کے ایک ایک کلمہ کے کئی معانی ہو سکتے ہیں لیکن ان کو طریق سنت کے ذریعہ قائل کرو۔" حضرت عمران بن مناح فرماتے ہیں: فقال ابن عباسؓ یا امیرالمؤمنین فانا اعلم بکتاب اللّٰہ منھم فی بیوتنا نزل فقال صدقت ولکن القرآن جمال یقول ویقولون ولکن حاججھم بالسنن فانھم لن یجدوا عنھا محیصا فخرج ابن عباس الیھم فحاجھم بالسنن فلم یبق بایدیھم حجۃ۔ (ابن سعد) (سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللّٰہ وجہہ نے جب حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ خوارج سے بحث کرنے کے لئے جاؤ) تو ابن عباسؓ نے کہا۔ امیرالمومنین! میں ان کے مقابلہ میں کتاب اللّٰہ سے خوب واقف ہوں۔ وہ تو ہمارے گھروں میں نازل ہوا ہے۔ تو حضرت شیر خداؓ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن قرآن کریم مجمل ہے وہ ایک حکم دیتا ہے اور یہ کچھ اور کہیں گے لہٰذا تم احادیث شریفہ کے ذریعہ ان سے بحث کرو اور اپنی حجت قائم کرو تو وہ ان احادیث شریفہ سے گریز نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ابن عباسؓ خوارج کی طرف روانہ ہوئے اور احادیث شریفہ کو پیش کر کے ان سے بحث کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خوارج کے ہاتھ میں کوئی حجت باقی نہیں رہی" اور شکست کھا گئے۔

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوا کہ صراط مستقیم سے

خواہ دین اسلام مراد لیا جائے یا قرآن کریم مراد لیں یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی ذات مبارک مراد لی جائے یا شیخین نیرین (سیدنا صدیق اکبر و سیدنا فاروق اعظم
رضی اللہ تعالیٰ عنہما) یا حضرات اہل بیت کرام مراد لئے جائیں جن کے کاشانہ مبارک
میں قرآن کریم نازل ہوا۔ طریق اہل السنۃ والجماعۃ ہی صراط مستقیم ہے جو حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل و اصحاب، سنت و کتاب اور سواد اعظم سب کو مانتے
ہیں۔ وللہ الحمد۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ راستہ ان کا جن پر تو نے احسان
فرمایا۔"

صراط الذین فاتحہ کی چھٹی آیت ہے	حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا:۔ انعمت علیہم الآیۃ السادسۃ (ثعلبی) ارشاد باری تعالیٰ انعمت علیہم

چھٹی آیت ہے۔" یعنی سورۂ فاتحہ جو بالاتفاق سات آیات کریمہ پر مشتمل ہے اور
جس کی بنا پر سورۂ فاتحہ کا دوسرا نام سبع مثانی ہے اس کی چھٹی آیت انعمت علیہم
ہے اور اس کے بعد کی آیہ کریمہ ساتویں آیت ہے جس پر سورۂ فاتحہ ختم ہوتا ہے۔
قراء کوفہ کی قراءت بھی یہی ہے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو مستقل آیت مانتے
اور سورۂ فاتحہ یا اور کسی سورت کا جزو نہیں قرار دیتے۔ یہی مذہب ہمارے امام

حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت سیدنا امام احمد بن حنبلؒ کا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔

صراط الذین انعمت علیہم کی تفسیر

صراط الذین انعمت علیہم، سابقہ آیۂ کریمہ اھدنا الصراط المستقیم میں جو الصراط ہے اس کی صفت یا بدل ہے۔ یعنی وہی صراط مستقیم جو منعم علیہم کی راہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا انعام اور فضل و احسان جن پر ہے اگر کوئی انسان ان کی راہ پر چلے گا تو منزل مقصود پر پہنچیگا اور حق سبحانہ تعالیٰ کے انعام اور اس کے فضل و احسان کا مستحق قرار پائے گا۔ یہاں درخواست یہی ہے کہ بار الٰہا! ہم کو ان ہی کی راہ پر قائم رکھئے اور اسی پر چلائیے جس پر چل کر اور قائم رہ کر آپ کے منعم علیہم بندے اپنی منزل مقصود کو پہنچے اور آپکے انعام اور فضل و احسان کے مستوجب ہوئے۔ رہا یہ کہ وہ منعم علیہم کون ہیں؟ انکی نسبت روایات ذیل ملاحظہ ہوں:۔

منعم علیہم کی تفسیر احادیث و آثار سے

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: صراط الذین انعمت علیہم یقول طریق من انعمت علیہم من الملائکۃ والنبیین والصدیقین والشھداء والصالحین الذین اطاعوک وعبدوک (ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ) آیۂ کریمہ صراط الذین

انعمت علیهم کی تفسیر یہ ہے کہ (ہمیں چلایئے) راہ ان کی جن پر آپ کا انعام اور فضل و احسان ہوا۔ وہ ملائکہ کرام اور انبیاء علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء و صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جو ہمیشہ آپ کی اطاعت کرتے رہے اور آپ کی بندگی میں مشغول رہے۔" یہ تفسیر ارشاد باری تعالیٰ شانہ ومن یطع اللہ ورسولہ فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین سے ماخوذ ہے۔ جس میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگا رہتا ہے وہ ان بزرگوں کے ساتھ ہوگا جن کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی نوازشوں سے نوازا اور سرفراز کیا وہ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء وصالحین ہیں۔" پھر اس کے بعد فرمایا:۔۔۔ وحسن اولئک رفیقا۔ اور یہ بزرگوار بہترین رفقاء ہیں اور ان کا ساتھ بہت ہی اچھا ساتھ ہے کہ اس جیسا اور کوئی ساتھ نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے بہتر کوئی رفاقت ہو سکتی ہے۔

حضرت ابوزید رضؓ صراط الذین انعمت علیهم کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن معہ۔ (ابن جریر) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھ رہنے والے منعم علیہم ہیں۔" یعنی آپ کے ازواج مطہرات امہات المومنین رضؓ اور اولاد امجادؓ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے

صراط الذین انعمت علیھم کی تفسیر میں یہ بھی مروی ہے :۔ المؤمنین (ابن جریر) تمام اہل ایمان منعم علیھم ہیں"۔ یعنی اہل ایمان کا سواد اعظم جس راہ پر گامزن ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سواد اعظم' اہل السنۃ والجماعۃ ہی کا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف ہے :۔ اتبعوا السواد الاعظم فمن شذّ شُذّ فی النار۔ تم (مسلمانوں کی) بڑی جماعت کا اتباع کرو پھر جو اس سے نکل جائے گا اس کو سب سے الگ کرکے دوزخ میں ڈالا جائے گا"۔ مطلب یہ ہوا کہ ہمیں صراط مستقیم پر چلائیے جو انبیائے کرام علیہم السلام صدیقین' شہدا' صالحین' نیز امہات المومنین' اہل بیت اطہار' صحابۂ کبار اور اہل ایمان کی راہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن امور پر سلف صالحین اور بزرگان دین کا عمل رہا وہ سب صراط مستقیم میں داخل ہیں اور یہ طریق مسلمین ہے۔ یہ صراط مستقیم کا مثبت پہلو ہوا آگے ارشاد ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ نہ راہ ان کی جن پر غضب ہوا اور نہ ان کی جو بھٹک گئے"۔ ع ۱

مغضوب علیھم اور ضالین کی تفسیر

یہ صراط مستقیم کا منفی پہلو ہے کہ طالب حق اور سالک راہ خدا اور رسول پر لازم ہے کہ وہ دشمنان دین اور اسلام کے مخالفین کے ساتھ امور دین میں میل جول نہ رکھے۔ اور ان کی راہ و رسم اور

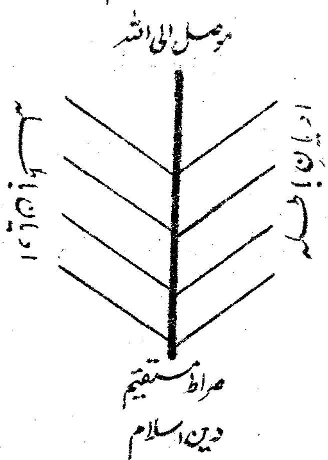
اور وضع قطع اختیار نہ کرے۔ کیونکہ حق سبحانہ تعالیٰ جن سے ناراض ہے اور جن پر غضب الٰہی نازل ہوا یا جو صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں ان سے اجتناب لازم ہے۔ حضرت عدیؓ بن حاتم فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

انّ المغضوب علیھم الیھود وانّ الضآلین النصاریٰ۔ (امام احمدؒ عبد بن حمیدؒ ترمذی بروایت حسن، ابن جریرؒ ابن المنذرؒ ابن ابی حاتم، ابن حبان) یقین جانو کہ جن پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا وہ یہود ہیں اور یہ بھی یقین مانو کہ جو لوگ صراط مستقیم سے بھٹک گئے وہ نصاریٰ ہیں۔" حضرت شرید فرماتے ہیں:۔ مرّبی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وانا جالس ھٰکذا وقد وضعت یدی الیسریٰ خلف ظھری واتکأت علی الیۃ یدی قال اتقعد قعدۃ المغضوب علیھم (امام احمدؒ، ابوداؤدؒ، ابن حبان، حاکم بروایت صحیحہ طبرانی) حضور رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر میرے پاس سے ہوا ایسی حالت میں کہ میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا یعنی میں اپنا بایاں ہاتھ اپنی پیٹھ پیچھے رکھا ہوا اور اپنی سُرین کو اپنے ہاتھ سے ٹیک لگایا ہوا تھا۔ ارشاد فرمایا کیا تم مغضوب علیہم (یہود) کی بیٹھک اختیار کئے ہوئے ہو"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام کو غیروں کی مخصوص نشست و برخاست چال ڈھال سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے۔ یہود تو اہل کتاب سے ہیں جب ان کی عادات و اطوار سے

دوری اختیار کرنے کا حکم ہے تو کفار و مشرکین سے کس درجہ اجتناب کرنا چاہیے ظاہر ہے۔ حضرت عبداللہ بن شقیقؒ کہتے ہیں: — اخبرنی من سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو بوادی القری علی فرس له وسأله رجل من بنی العین فقال من المغضوب علیھم یا رسول اللہ قال الیھود قال فمن الضالون قال النصاری۔ (عبدالرزاق، امام احمدؒ، عبد بن حمید، ابن جریر، بغوی، ابن المنذر، ابوالشیخ) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنتے ہوئے ایک صحابیؓ نے مجھے خبر دی جبکہ آپ مقام وادی قری میں اپنے گھوڑے پر سوار تھے تو قبیلہ بنی عین کے ایک شخص نے آپ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مغضوب علیہم کون ہیں؟ فرمایا وہ یہود ہیں۔ پھر عرض کیا۔ ضالین کون ہیں تو ارشاد فرمایا کہ وہ نصاری ہیں۔" اسی مضمون کی اور بھی متعدد روایات ہیں جن سے واقعہ مذکور کی تائید ہوتی ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ جن صحابی نے دریافت کیا وہ حضرت ابو ذر غفاریؓ تھے۔ حافظ حدیث ابن ابی حاتم کا بیان ہے: — لا اعلم خلافا بین المفسرین فی تفسیر المغضوب علیھم بالیھود والضالین بالنصاری۔ (ابن جریر) میں جہاں تک جانتا ہوں مغضوب علیہم کی تفسیر یہود سے اور ضالین کی تفسیر نصاری سے کی جانے کے بارے میں مفسرین کرام کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مغضوب علیہم یہود اور ضالین نصاریٰ ہونیکا ثبوت

یہود کا مغضوب علیہم ہونا قرآن کریم میں مصرح ہے۔ یہود کے بارے میں باری تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:۔ من لعنه الله وغضب عليه وجعل منهم القردة والخنازير۔ یہ وہ گروہ ہے جس کو اللہ سبحانہ نے اپنی رحمت سے دور کیا اور لعنت کی اور اس پر غضب الٰہی ہوا اور ان میں سے کوئی بندر بنائے گئے اور کوئی سور" (العیاذ باللہ) یہود کے مغضوب علیہم ہونے کے بارے میں قرآن کریم میں اور بھی تصریحات ہیں اور نصاریٰ کے باب میں ارشاد باری ہے:۔ ولا تتبعوا اهواء قوم قد ضلوا۔ اور (اے مسلمانو!) تم اس قوم کے اہواء اور خواہشات کا کبھی اتباع نہ کرنا جو (صراط مستقیم سے) بھٹک گئی" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح



ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ صراط مستقیم ہے (جو دین اسلام کی سیدھی سادی راہ ہے جو موصل الی اللہ ہے۔) اور اس کے داہنے بائیں چند خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ ادیان باطلہ ہیں جو راہ حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خطوط موصل الی اللہ نہیں ہو سکتے ؎

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

بیزاری میں یہود کی تقدیم کی وجہ

یہاں مغضوب علیہم (یہود) سے بیزاری کا بیان پہلے اور ضالین (نصاری) کا ذکر بعد اس بنا پر ہے کہ گو یہ دونوں قومیں اہل کتاب سے ہیں اور دونوں دشمن اسلام اور مسلمانوں کے بھی دشمن ہیں لیکن یہودی قوم کا زمانہ مقدم اور ان کی دشمنی قدیم سے ہے۔ نصاری ان سے بہت زمانہ بعد آئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہود کی دشمنی شدید ترین ہے، ان کے مقابلہ میں نصاری کی دشمنی کم ہے۔ سورہ مائدہ میں ہے: لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا و لتجدن اقربھم مودۃ للذین آمنوا الذین قالوا انا نصاری۔ (اے نبی کریم) آپ یہود کو ایمان والوں کا شدید ترین دشمن پائیں گے اور ان کو بھی جو شرک کرتے ہیں۔ نیز آپ مسلمانوں کی دوستی میں قریب تران کو پائیں گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں"۔ اس کی وجہ اور تفصیل اس آیہ کریمہ کی تفسیر کے موقع پر ان شاء اللہ آگے آئے گی جب سلسلہ تفسیر سورہ مائدہ تک پہنچیگا۔ یہاں اس کی گنجائش نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مغضوب علیہم (یہود) کا کفر شدید تر ہے۔ جبھی تو وہ مورد غضب ہوئے۔ نصاریٰ راستہ بھولے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ کبھی نہ کبھی صحیح راستے پر لگ جائیں۔ کما قال تعالی وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ۔ (نزول عیسی کے بعد) اہل کتاب (نصاریٰ)

میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو مرنے سے پہلے ان پر ایمان نہ لایا ہو۔" مغضوب علیہم سے ایسی توقع نہیں کی جاسکتی۔

فاتحہ پڑھنے والوں پر الطاف الٰہی

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاتحہ کے باب میں ارشاد فرمایا:۔

إقرؤا يقول العبد الحمد لله ربّ العالمين فيقول الله حمدنى عبدى ويقول العبد الرحمن الرحيم فيقول الله اثنى علي عبدى ويقول العبد مالك يوم الدين فيقول الله مجدنى عبدى ويقول العبد إيّاك نعبد وإيّاك نستعين فيقول الله هذا بينى وبين عبدى أوّلها ولي آخرها لعبدى وله ما سأل ويقول العبد إهدنا الصراط المستقيم صراط الّذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالّين فيقول الله هذا لعبدى ولعبدى ما سأل

. (امام مالکؒ، سفیان بن عیینہؒ، ابو عبیدؒ، ابن ابی شیبہؒ، امام احمدؒ، بخاری فی جزء القراءۃ، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن الانباری، ابن حبان، دارقطنی، بیہقی) پڑھا کرو، بندہ کہتا ہے:۔ الحمد للہ رب العالمین، "سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام عوالم کا پالن ہار ہے۔" تو اللہ سبحانہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ "میرے بندے نے میری حمد کی۔" پھر بندہ عرض کرتا ہے الرحمن الرحیم "جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے" تو ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ میرے بندے نے میری

ثنا کی"۔ پھر بندہ عرض رسا ہوتا ہے:۔ مالک یوم الدین۔ جو روز جزا کا مالک ہے" تو ارشاد باری ہوتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی"۔ بندہ عرض پرداز ہوتا ہے:۔ ایاک نعبد وایاک نستعین "ہم آپ ہی کی بندگی کرتے اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں" تو فرمان خداوندی ہوتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے۔ اس کا پہلا حصہ (ایاک نعبد ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں) خاص میرے لئے ہے اور اس کا آخری حصہ (ایاک نستعین ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں) میرے بندے لئے مختص ہے۔ اور اس کو اس کی منہ مانگی مراد مل جائے گی"۔ اب بندہ (بکمال عجز و الحاح نہایت ادب سے) درخواست کرتا ہے:۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ "ہم کو سیدھی راہ چلائیے راہ ان کی جن پر آپ کا انعام و احسان ہوا۔ نہ (راہ) ان کی جن پر غضب ہوا اور نہ (راہ) ان کی جو بھٹک گئے"۔ اس پر فرمان الٰہی شرف صدور لاتا ہے کہ یہ خالص میرے بندے کے لئے ہے اور اس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو وہ مانگ لے"۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ اس حدیث شریف کی پندرہ جلیل القدر حفاظ حدیث نے تخریج کی ہے جن میں دو ائمہ فقہ، اور جملہ اصحاب صحاح ستہ بھی شامل ہیں جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ ایسے بہت کم احادیث شریفہ ہیں جن کو اتنی کثیر جماعت

محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہو۔ اس کی صحت اور مقبولیت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔
حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ کی ایک مناجات ہے جس میں وہ عرض رسا ہیں ۔

الٰہی اگر یک بار گوئی بندۂ من   از عرش بگزرد خندۂ من

یا الٰہا! اگر آپ صرف ایک دفعہ بھی فرما دیں کہ (عبداللہ) میرا بندہ ہے تو میری مسرت تشکر کا نعرہ عرش اعظم سے بھی پار پہنچ جائے گا" مطلب یہ کہ عبداللہ تو عمر بھر کہتا رہا الٰہی الٰہی الٰہی۔ آپ ایک دفعہ تو فرمایئے کہ عبداللہ میرا بندہ ہے۔ عبداللہ آپ سے بس اسی قدر چاہتا ہے اور کچھ نہیں چاہتا۔ آپ نے حضرت نوحؑ کی شان میں فرمایا:۔ انہ کان عبداً شکوراً۔ یقیناً وہ بہت شکرگزار بندے تھے" نیز ارشاد ہوا:۔ واذکر عبادنا ابراھیم واسحاق ویعقوب۔ اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم واسحاق اور یعقوب کو" واذکر عبدنا داؤد۔ اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو۔ سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔ پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے ذرا سے حصے میں اپنے بندۂ خاص (حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مسجد حرام (خانہ کعبہ مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس ملک شام) تک سیر کرائی" اگر از راہ کرم و عنایت عبداللہ کو بھی یکبارگی عبدی یا بندۂ من فرمائیں تو میری خوشی کی انتہا نہ ہوگی۔ اس تمنائے دیرینہ کے مدنظر اگر عرش بالا پر

نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ صرف سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں پڑھنے تک رب العزت جل جلالہ و عم نوالہ سات دفعہ عبدی فرماتے جاتے ہیں۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ الحمد للہ رب العالمین کہہ کر اتنا وقفہ کیا کریں جتنی دیر میں حمدنی عبدی کہا جا سکے۔ پھر الرحمن الرحیم کہہ کر اسی طرح اتنا وقفہ کریں کہ اثنی علی عبدی کہہ سکیں۔ دل میں یہی تصور ہو کہ ایسا جواب رب العزت کے پاس سے ملا ہے۔ اگر یہ تصور قائم ہو جائے تو عجب نہیں کہ حمدنی عبدی اور اثنی علی عبدی کا جواب گوشِ ہوش سے سنائی بھی دے۔ یہ عمل نوافل میں ہونا چاہئے۔ اگر امام فرض نماز پڑھا رہا ہو تو وہ ایسا وقفہ نہ کرے تاکہ مقتدیوں پر گرانی کا باعث نہ ہو۔ نماز کو مقتدیوں پر گراں کرنا مکروہ ہے۔ فاتحہ کی ابتدائی آیات پر وقف نہیں ہے اس لئے ملا کر ہی وصل کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ ہاں اگر تنہا نماز پڑھ رہے ہوں تو ہر آیت پر وقف کرنے میں مضائقہ نہیں۔

سات آیات کی تعیین اور خدا و بندے میں ان کی تقسیم

حضرت اُبی بن کعبؓ فرماتے ہیں: قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحۃ الکتاب ثم قال قال ربکم ابن آدم انزلت علیک سبع آیات ثلاث لی و ثلاث لک و واحدۃ بینی و بینک فاما التی لی فالحمد للہ رب العالمین

الرحمان الرحیم مالك یوم الدین والتی بینی وبینك ایاك نعبد و
و ایاك نستعین منك العبادۃ وعلی العون لك واما التی لك اھدنا
الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین
(طبرانی) حضور رسول اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاتحہ کتاب کی تلاوت فرمائی
پھر ارشاد فرمایا کہ تمہارے پروردگار نے ارشاد فیض بنیاد فرمایا :۔ اے فرزند آدم!
میں نے تجھ پر سات آیات کریمہ اتاری ہیں جن میں سے تین خاص میرے لئے ہیں اور
ایک میرے اور تیرے درمیان مشترک ہے اور تین تیرے لئے مختص ہیں۔ (ان میں سے)
تین آیات کریمہ جو خاص میرے لئے ہیں وہ الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم
مالك یوم الدین ہیں۔ اور جو آیت کریمہ میرے اور تیرے درمیان مشترک ہے وہ
ایاك نعبد و ایاك نستعین ہے۔ تیری طرف سے عبادت ہے اور مجھ پر
تیری مدد لازم ہے۔ اور (باقی تین آیات کریمہ جو تیرے ساتھ مختص ہیں وہ اھدنا
الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین
ہیں۔"

بسم اللہ کسی سورۃ کا جزو نہ ہونے کا ثبوت

ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس امر کے
قائل ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک مستقل

آیت ہے اور سورۂ فاتحہ یا اور کسی سورے کا جزو نہیں ہے ان کا استناد اسی نوع کی احادیث شریفہ سے ہے۔ جن میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا کہیں ذکر نہیں اور نہ بسم اللہ کے پڑھنے پر رب العزت جل جلالہ کا کیا ارشاد ہوتا ہے اس کا کوئی تذکرہ ہے اگر بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزو قرار دیا جاتا تو جس طرح فاتحہ کی ہر آیت پر ارشاد خداوندی جو کچھ ہوتا ہے بسم اللہ کی آیۂ کریمہ پڑھنے پر بھی ضرور اس کا ذکر ساتھ ساتھ ہوتا دلیل اس امر کی ہے کہ بسم اللہ ایک مستقل آیت ہے اور ایک سورۃ کو دوسرے سے ممتاز کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ فاتحہ یا اور کسی سورۃ کا جزو نہیں ہے قراء مدینہ، بصرہ اور فقہاء کوفہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ قرآن کریم کی دوسری متعدد سورتوں کا سیاق بھی اسی کی رہنمائی کرتا ہے۔ تمثیل کے طور پر سورۂ اقرأ سے آخر قرآن کریم یعنی سورۂ ناس تک جتنی سورتیں ہیں ان کے ملاحظے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم صرف فصل و امتیاز کے لئے ہے۔ کسی سورت کا جزو نہیں ہے۔ وقس علی ہذا۔ واللہ اعلم۔

قراءت سورہ فاتحہ کا ادب

حضرت ابو میسرہؓ فرماتے ہیں:۔ لمّا اقرأ جابرئیل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاتحۃ الکتاب فبلغ ولا الضالّین قال قل آمین فقال آمین۔ (وکیع ابن ابی شیبہ) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کتاب اللہ کی ابتدائی سورت (فاتحہ) پڑھائی اور (ابتدا سے پڑھاتے ہوئے) ولا الضالّین پر پہنچے تو آپ سے فرمائش کی کہ آمین کہئے۔ چنانچہ آپ نے آمین کہا" اس وقت سے یہی سنت سنیہ جاری ہے کہ فاتحہ کے ختم پر آمین کہا جاتا ہے۔ اور یہی سنت تا قیامت ان شاء اللہ تعالیٰ جاری رہے گی۔

آمین رب العالمین کی مہر ہے

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ آمین خاتم رب العالمین علی لسان عبادہ المومنین۔ (طبرانی، ابن عدی، ابن مردویہ) آمین رب العالمین کی مہر ہے جو اس کے ایمان دار بندوں کی زبان پر ودیعت فرمائی گئی ہے" جس طرح مہر لگے ہوئے کاغذات، تحریرات، اسناد، اور عہد نامے وغیرہ عام طور پر قبول و منظور کر لئے جاتے اور ان کو موثق سمجھا جاتا ہے یہی حال اس دعا کا ہے جس کے خاتمہ پر آمین کہا گیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر دعا کو آمین پر ختم کرنا چاہئے۔ اس سے دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت

ابو زہیر نمیریؓ صحابہ کرام سے ہیں ان کی عادت شریفہ تھی :۔ انہ کان اذا دعا الرجل بدعاء قال اختمہ بآمین فان آمین مثل الطابع علی الصحیفۃ و قال اخبرکم عن ذلک خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فاتینا علی رجل قد الح فی المسألۃ فوقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسمع منہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوجب ان ختم فقال رجل من القوم بای شیئ یختم قال بآمین فانہ ان ختم بآمین فقد اوجب (ابوداؤد باسنِ حسن) جب کسی شخص کو کوئی دعا مانگتا پاتے تو اس سے کہتے کہ اپنی دعا کو آمین پر ختم کرو کیونکہ آمین صحیفہ پر مہر لگانے کے طور پہ ہے اور کہتے کہ اس کی حقیقت حال سے میں تمھیں آگاہ کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک رات حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہم چند اصحاب نکلے۔ ہمارا گزر ایک شخص کے پاس سے ہوا جو کمال انہماک کے ساتھ مشغول دعا تھا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی دعاؤں کو سماعت فرمانے کے لئے ٹھہر گئے پھر فرمایا کہ اگر اس نے اپنی دعا پر مہر ثبت کر دی تو مراد پائے۔ اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ مہر کس چیز کی لگائے گا؟ تو ارشاد ہوا کہ آمین کی مہر۔ کیونکہ اگر وہ دعا کے ختم پر آمین کہے گا تو اپنی مراد پالے گا" یعنی اس کی دعا درجۂ قبولیت پر پہنچ جائے گی۔

آمین کے معنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ قلت یا رسول اللہ ! ما معنی

آمین قال ربّ افعل۔ (جویبر عن الضحاک) میں نے عرض کیا اے خدا کے پیارے رسول! آمین کے معنی کیا ہیں؟ ارشاد مبارک ہوا اے میرے پروردگار ایسا ہی کیجئے۔" اسی طرح کی ایک اور روایت ابوصالح نے حضرت ابن عباسؓ سے بطریق کلبی کی ہے جس کو ثعلبی نے نقل کیا ہے۔ حضرت ہلال بن یساف اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں:۔ آمین اسم من اسماء اللہ۔ (وکیع ابن ابی شیبہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام آمین بھی ہے۔" جس کا واسطہ دیکر دعائیں کی جاتی ہیں اور اس کی برکت سے وہ قبول ہوتی ہیں۔ ابو علی فسوی کہتے ہیں:۔

اراد ھذا القائل فی آمین ضمیر اللہ تعالیٰ لانّ معناہ استجب۔ (مفردات)

اس قول کے قائل کی مراد یہ ہے کہ آمین میں ضمیر مستتر ہے جو اللہ سبحانہ کی طرف رجوع ہوتی ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو قبول فرمائے۔" حضرت اسماعیل بن مسلم کہتے ہیں:۔

وکان الحسن اذا سئل عن معنی آمین ما تفسیرھا قال ھو اللّھمّ استجب

(ابن شاہین) حضرت حسن بصری سے جب آمین کے معنی کی نسبت دریافت کیا جاتا کہ اس کلمہ کی تفسیر کیا ہے تو وہ فرماتے اس کے معنی یہ ہیں کہ بارالٰہا! اس دعا کو قبول فرمائیے۔" کوئی کہتے ہیں کہ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اس کو معرّب کیا گیا ہے۔ دراصل یہ ھمایں تھا یعنی ھمیں کُن۔ ایسا ہی کیجئے۔" بہرحال کلمۂ آمین قرآن کریم سے خارج ہے اس میں داخل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اس کو ولا الضالّین کے بعد قرآن میں لکھا نہیں گیا۔ واللہ اعلم۔

یہود حسود کا آمین سے حسد ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ماحسدتکم الیھود علی شیئ ما

حسدتکم علی التأمین ۔ (امام احمدؒ ، ابن ماجہ ، بیہقی) یہود نے تمھارے ساتھ کسی

امر پر اتنا حسد نہیں کیا جتنا کہ تمھارے آمین کہنے پر کیا"۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں

اتنا اضافہ ہے :۔ فاکثروا من قول آمین ۔ (ابن ماجہ) لہٰذا تم کثرت کے ساتھ

(دعا کے بعد) آمین کہا کرو"۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم نے فرمایا:۔ اعطیت ثلاث خصال ، اعطیت صلاۃ فی الصفوف ،

واعطیت السلام ، وھو تحیۃ اھل الجنۃ واعطیت آمین ولم یعطھا

احد ممن کان قبلکم الا ان یکون اللہ اعطاھا ھارون فان موسیٰ کان

یدعو وھارون یؤمن ، ولفظ الحکیم ان اللہ اعطی امتی ثلاثا لم یعطھا

احد قبلھم السلام وھو تحیۃ اھل الجنۃ ، وصفوف الملائکۃ وآمین

الا ما کان من موسیٰ وھارون ۔ (حرث بن ابی اسامہ ، حکیم ترمذی ، ابن مردویہ)

مجھے تین خصوصیات دی گئیں ۔ صفیں باندھ کر نماز پڑھنا مجھے (خصوصیت سے) عنایت

ہوا اور مجھے سلام دیا گیا اور وہ اہل جنت کی تحیت ہے (جو باہم ملاقات کے وقت کہی

جاتی ہے) اور مجھے آمین دیا گیا جو تم سے پیشتر جو لوگ ہوئے ان میں سے کسی کو نہیں دیا گیا

مگر یہ کہ ہارون علیہ السلام کو صرف آمین عطا ہوا تھا۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام (جناب باری میں) دعا کرتے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے" اور حکیم ترمذی کی روایت یوں ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے میری امت کو ایسی تین چیزیں عنایت فرمائی ہیں جو ان سے پہلے کسی کو عنایت نہیں ہوئیں۔ ایک تو سلام ہے جو اہل جنت کی تحیت ہے اور دوسری ملائکہ کرام کی صفیں، اور تیسری چیز آمین ہے، مگر صرف آمین موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو بھی دیا گیا تھا" حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی امی فداہ ابی وامی نے فرمایا:— ان الیھود قوم حسد لم یحسدوا المسلمین علی افضل من ثلاث ردّ السلام، واقامۃ الصفوف وقولھم خلف امامھم فی المکتوبۃ آمین۔ (طبرانی) یہود پہلے درجہ کی حاسد قوم ہے۔ ان کا زیادہ تر حسد مسلمانوں کے ساتھ تین چیزوں پر ہے۔ سلام کا جواب' اور (نماز کی) صفیں سیدھی کرنا' اور فرض نماز میں امام کے پیچھے آمین کہنا" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:— ان الیھود قوم حسد حسدوکم علی ثلاثۃ افشاء السلام واقامۃ الصف وآمین (ابن عدی) یہود نہایت ہی حاسد قوم ہے۔ تم پر ان کا حسد تین امور پر مبنی ہے۔ سلام کی اشاعت، اور صفوں کی درستی، اور آمین" ان احادیث شریفہ سے آمین کی اہمیت ظاہر ہے کہ دعا کے ختم پر کہنا چاہئے۔ اس کے

کہنے سے دعا قبول ہوتی ہے۔

ختم فاتحہ پر نماز میں آمین کہنے کا حکم

مسلمان نماز میں ہوں تو آمین کس موقع پر کہنا چاہیئے؟ اس کی صراحت احادیث ذیل میں ملاحظہ ہو۔ حضرت وائل بن حجر حضرمیؓ فرماتے ہیں:۔ سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالّین فقال آمین یمدّ بھا صوتہ۔ (وکیعؒ ابن ابی شیبہؒ امام احمدؒ ابوداؤدؒ ترمذی بروایت حسن، نسائی، ابن ماجہ، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) میں نے حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے سنا کہ آپ نے (نماز میں آیۂ کریمہ) غیر المغضوب علیھم ولا الضالّین کی تلاوت فرمائی۔ پھر آپ نے آمین کہہ کر اپنی آواز کو کھینچے اور دراز فرماتے گئے۔" حضرت وائل بن حجر نے یہ بھی فرمایا:۔ انّہ سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حین قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالّین قال ربّ اغفرلی آمین۔ (طبرانی، بیہقی) انھوں نے حضور رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ جب غیر المغضوب علیھم ولا الضالّین سے فارغ ہوئے تو فرمایا:۔ ربّ اغفرلی آمین۔ یعنی اے میرے پروردگار! مجھے بخش دیجئے (اور اس دعا کو) قبول فرمایئے۔" حضرت وائل بن حجرؓ کی اور ایک روایت یوں ہے:۔ رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم دخل فی الصلاۃ فلما فرغ من فاتحۃ الکتاب قال آمین ثلاث مرّات۔

(طبرانی) میں نے حضور رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز شروع فرمائی۔ پھر جب سورہ فاتحہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے تین مرتبہ آمین فرمایا" سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال ولا الضالین قال آمین۔ (ابن ماجہ) حضور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے میں نے سنا کہ جب آپ (سورۂ فاتحہ نماز میں تلاوت فرماتے ہوئے) ولا الضالین پڑھتے تو آمین فرماتے" حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اذا قرأ یعنی الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین یجبکم اللہ (مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ) جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھے تو تم سب آمین کہو۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائے گا" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اذا امّن الامام فامّنوا فانّہ من وافق تأمینہ تأمین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ۔ (امام مالک، امام شافعی، ابن ابی شیبہ، امام احمد، بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی) جب امام آمین کہے یا آمین کہنے کے مقام پر پہنچے تو تم سب آمین کہو۔ کیونکہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ موافقت کر لیتی ہے تو اس کے تمام اگلے گناہ بخش دئیے جاتے ہیں"۔

مطلب یہ کہ ملائکہ کرام کراماً کاتبین اور محافظ دستہ جو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے نیز فرشتے جو تدبیر امور میں لگے ہوئے ہیں وہ سب نماز میں شریک رہتے ہیں۔ اور ولا الضالین کے موقع پر آمین کہتے ہیں لہذا تم بھی ان کے ساتھ آمین کہو تو ان معصومین کی برکت سے تمہاری دعا بھی قبول ہوگی اور تمہارے اگلے گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے۔

آمین نہ کہنے کا ضرر حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور رسول دو جہان علیہ الف الف صلوات الرحمان نے فرمایا:۔ اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال الذین خلفہ آمین التقت من اھل السمآء واھل الارض ومن لم یقل آمین کمثل رجل غزا مع قوم فاقترعوا سھامھم ولم یخرج سھمہ فقال ما لسھمی لم یخرج قال انک لم تقل آمین۔ (ابو یعلیٰ ابن مردویہ بسند جید) جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہتا ہے تو جو لوگ اس کے پیچھے ہیں وہ سب آمین کہتے ہیں تو ان کی آمین تمام آسمان والوں اور زمین والوں کی آمین کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اور جو آمین نہیں کہتا اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو کسی قوم کے ساتھ شریک ہو کر جنگ کرتا رہا۔ (پھر جنگ کامیابی کے ساتھ ختم ہونے اور غنیمت میں سے حصہ لینے کے لئے) قرعہ اندازی ہوئی تو اس کے نام پر کوئی حصہ برآمد نہ ہوا۔ (اپنی محرومی دیکھ کر) اس شخص نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے میرے نام کا کوئی حصہ برآمد نہ ہوا تو (کہنے والے نے) کہا کہ تو نے آمین نہیں کہا تھا" گویا ولا الضآلین

آمین نہ کہنے والا جماعت نماز میں شریک رہنے کے باوجود قبولیت دعا سے اسی طرح محروم رہ جاتا ہے جیسا کہ جنگ میں شریک رہ کر بھی شخص مذکور غنیمت کے مال سے محروم رہا۔

آمین سے پہلے نوافل میں دعا

حضرت ابراہیم نخعی کے احوال میں ہے:۔ کان یستحب اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین ان یقال اللّٰھم اغفرلی آمین۔ (ابن ابی شیبہ) وہ مستحب جانتے تھے کہ جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین کہے تو یوں کہا جائے:۔ اللّٰھم اغفرلی آمین۔ اے اللہ! مجھے بخش دیجیئے آمین" حضرت مجاہد فرماتے ہیں:۔ اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین فقل اللّٰھم انی اسئلک الجنّۃ واعوذ بک من النار۔ (ابن ابی شیبہ) جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین کہے تو یوں کہو:۔ اللّٰھم انی اسئلک الجنّۃ واعوذ بک من النار۔ یا اللہ! میں آپ سے جنت کی درخواست کرتا اور دوزخ (کے عذاب) سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں" حضرت ربیع بن خثیم فرماتے ہیں:۔ اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین فاستعن من الدعاء ما شئت۔ (ابن ابی شیبہ) جب امام غیر المغضوب علیھم و لا الضآلین

کہے تو تم جس دعا سے چاہو (اللہ سبحانہ کی) اعانت طلب کرو"۔ **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہ روایات نوافل سے متعلق ہیں۔ نوافل میں مصلی کو اختیار ہے کہ اس موقع پر صرف آمین پر اکتفا کرے جیسا کہ احادیث شریفہ میں آیا ہے جن کی صراحت اوپر کی گئی۔ یا یہ کہ ادعیہ ماثورہ میں سے کوئی دعا کر کے آمین کہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الحمد للہ کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔ آمین۔

(۱۳ر شعبان المعظم ۱۳۸۳ھ روز دوشنبہ)

1 الفاتحة
2 البقرة

اعتذار

ماہ گزشتہ (جنوری ۱۹۶۴ء) کے شمارہ جلد (۱) حصہ (۴) میں سہو کتابت ہوا ہے۔ براہ کرم صفحہ ۱۲۳ سطر (۶) پر اثنیٰ علی عبدی کے بعد عبارت ذیل کا اضافہ فرما لیا جائے:—

ویقول العبد مالک یوم الدین فیقول اللہ مجدنی عبدی"

مہتمم دفتر تفسیر قادری